© rasailojaraid.com

رنگِ خیال

محترم قارئین!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

وزارت مذہبی امور، زکوٰۃ وعشر و اوقاف، صوبہ سندھ کی جانب سے ۱۸ مارچ ۲۰۰۵ء کو گورنر ہاؤس میں ایک صوبائی کانفرنس کا انعقاد ہوا۔ جسکا عنوان تھا: "فرقہ واریت کا خاتمہ اور فرقہ وارانہ ہم آہنگی نیز دہشت گردی کا خاتمہ"۔

کانفرنس میں وزیر اعظم پاکستان جناب شوکت عزیز، گورنر سندھ جناب ڈاکٹر عشرت العباد، وزیر اعلیٰ سندھ جناب ڈاکٹر غلام ارباب رحیم، وفاقی وزیر برائے مذہبی امور جناب اعجاز الحق، وزیر مملکت برائے مذہبی امور جناب ڈاکٹر عامر لیاقت حسین اور صوبائی وزیر برائے مذہبی امور جناب غلام حسین منصور، اسٹیج پر جلوہ افروز تھے۔ اسٹیج کے سامنے، صوبہ سندھ (بشمول کراچی) تقریباً سات آٹھ سو علماء و مشائخ و دیگر معززین شہر شریک تھے۔ راقم الحروف بھی اس کانفرنس میں مدعو تھا۔

کانفرنس کے حوالے سے صرف دو باتیں گوش گزار کرنا چاہتا ہوں:

۱) یہ کانفرنس، دعوت نامے کے مطابق ٹھیک ساڑھے نو بجے شروع ہونا تھی، مگر وہ ایک گھنٹہ کی تاخیر سے شروع ہوئی۔ ذرا سوچیے! بروقت پہنچنے والوں نے کیا قصور کیا تھا کہ انہیں ایک گھنٹہ انتظار کرنا پڑا۔ اے کاش! پابندی وقت، ہماری قوم کا مزاج بن جائے۔ کسی بھی پروگرام میں تاخیر یقیناً افسوس ناک بات ہے۔ مگر اس طرح کے خصوصی اجتماعات بھی اگر پابندی اوقات سے "آزاد" ہو جائیں تو بڑے شرم کی بات ہے۔ جس قوم کو ان الصلوۃ کانت علی المومنین کتابا موقوتا یعنی نماز کے اجتماعات اپنے مقررہ اوقات پر ادا کرنے کا حکم دیا گیا ہو، اس قوم کو تو اپنے سارے معاملات میں پابندی اوقات کا خوگر ہونا چاہیے۔ اور صاحبان اولی الامر کو وقت کا زیادہ پابند ہونا چاہیے۔ اسلیے کہ عوام کے لیے قابل تقلید نمونہ ہوتے ہیں۔ فالناس علی دین ملوکھم۔

۲) کانفرنس میں فرقہ وارانہ ہم آہنگی پیدا کرنے کے لیے مختلف مکاتب و مذاہب کے مشاہیر کو اکٹھا کیا گیا تھا۔ میرا خیال ہے کہ فرقہ و مسلک کے حوالے سے نام پیدا کرنے والے مذہبی پیشواؤں کو نمائندگی دینے سے فرقہ وارانہ ہم آہنگی کبھی پیدا نہیں ہو سکتی۔ بلکہ اسطرح کی نمائندگی تو الٹا اثر دکھاتی ہے۔ یعنی فرقہ واریت کم ہونے کے بجائے مزید بڑھتی ہے۔ ارباب اقتدار، اگر واقعی فرقہ واریت کا (بزعم خویش) خاتمہ چاہتے ہیں تو میری مخلصانہ رائے کے مطابق آئندہ ایسی کانفرنسوں میں علمی و فکری شہرت کے حامل علماء کرام، مشائخ عظام اور دانشوروں کو مدعو کیا جائے تاکہ معاشرہ میں مثبت اور صحت مندانہ روش قائم ہو سکے۔

مدیر اعلیٰ

سیرت طیبہ کی روشنی میں ایک روشن خیال اور اعتدال پسند معاشرے کی تشکیل و ضرورت

ڈاکٹر محمد شکیل اوج
اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ علوم اسلامیہ، جامعہ کراچی

یہ حقیقت ہے کہ جو معاشرہ وحی الٰہی کی روشنی میں تشکیل پاتا ہے۔ وہ ایک روشن خیال اور اعتدال پسند معاشرہ ہوتا ہے۔ حضور ختمی مرتبت ﷺ نے اپنے کردار و عمل کے ذریعے اتباع وحی میں بالفعل ایسا ہی معاشرہ تشکیل دیا تھا۔ جو افراط و تفریط میں بٹے ہوئے انسانوں کے لیے انتہائی پرکشش تھا۔ اسلام کی تعلیمات نہ صرف انتہائی سادہ، فطری اور معقول تھیں بلکہ روشن خیالی اور اعتدال پسندی کا مظہر بھی تھیں اور آج بھی وہ ان تمام خصوصیات کی حامل ہیں۔ سچ تو یہ ہے کہ دنیا کے کسی بھی مذہب کے پاس ایسی تعلیمات، اسقدر جامعیت اور واضحیت کے ساتھ موجود بھی نہیں ہیں۔ ذیل کے مضمون میں ہم اسی امر کا جائزہ لیں گے کیونکہ ایک روشن خیال اور اعتدال پسند معاشرہ کی تشکیل، عصر حاضر کا ایک منہ زور مطالبہ اور شدید تقاضا ہے۔

قرآن مجید نے حضور نبی کریم ﷺ کی ذات کو اسوۂ حسنہ قرار دیا ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ انسانوں کو ایک رول ماڈل (Role Model) دے دیا گیا ہے۔ اور یہ وہ رول ماڈل ہے، جو قرآن کے عین مطابق و مصداق ہے۔ لیکن جس طرح قرآن، قال ہے، اسی طرح محمد ﷺ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کی ذات اس کا حال ہے۔ جسطرح قرآن مطالعہ کے لئے ہے، اسی طرح سیرت طیبہ مشاہدہ کے لئے ہے۔ جو کچھ خدا کو مطلوب ہے۔ وہ سب قرآن میں موجود ہے اور جو کچھ قرآن میں موجود ہے۔ وہ سب سیرت طیبہ میں مشہود ہے۔ گویا قرآن اور صاحب قرآن دونوں ایک دوسرے کا اٹوٹ انگ اور جزو لاینفک ہیں۔ قرآن، صاحب قرآن کے بغیر اور صاحب قرآن، قرآن کے بغیر سمجھ میں نہیں آسکتا۔ دونوں کی معرفت ایک دوسرے سے وابستہ اور لازم ہے۔

دراصل حضور اکرم ﷺ نے قرآن کی روشنی اور رہنمائی میں ہی اسلامی معاشرہ تشکیل دیا تھا۔ جواب رہتی دنیا تک کے لیے مینارۂ نور بن گیا ہے۔ اس لیے اسلامی معاشرہ کی جڑ بندی اور تشکیل پذیری کا عمل، قرآن کے بغیر نہیں ہو سکتا۔ قرآن کی تعلیمات ابدی ہیں یعنی ناقابل تغیرو تبدل اور نسخ و تحریف سے مبرا ومنزہ۔ وہ اپنے الفاظ میں ہر جگہ آب دار اور معنی ومفہوم میں تابدار ہیں۔ مرور ایام اور گزرتے ہوئے لمحات اپنے ساتھ تدریجاً ہر چیز بدلتے رہتے ہیں۔ یوں الفاظ بھی بدل جاتے ہیں اور اصطلاحات بھی۔ اور معاشرہ کی طلب (Demand) بھی بدل جاتی ہے۔ اسکے تقاضے اور مطالبے نئے نئے الفاظ اور اصطلاحات کے قالب میں ڈھل جاتے ہیں۔ اور تعبیر نو کا تقاضا کرتے ہیں۔

یہ جاننے کے لئے کہ اسلام ایک روشن خیال اور اعتدال پسند دین ہے۔ اس لیے وہ اپنے ماننے والوں کے لیے ایک ایسا ہی معاشرہ قائم کرتا ہے۔ جس میں تاریک خیالی کا اور افراط و تفریط کا شائبہ تک نہیں ہوتا۔ ہمیں "روشن خیال اور اعتدال پسند" الفاظ کے معنی پر غور کرنا ہوگا۔ "روشن خیال" فارسی زبان کا لفظ ہے۔ روشن کے معنی ہیں تاباں، منور، روز خشاں۔ نیز صاف واضح اور عیاں (علمی لغت) اور خیال کے ساتھ "روشن" کی اضافت کے ساتھ، اس کا مطلب ہوا۔ واضح، صاف اور منور خیال۔ یونہی اعتدال کا معنی ہے۔ برابر، نہ کمی نہ زیادتی، متناسب، ٹھیک، میانہ روی اور درستی۔ اور طب کی اصطلاح میں مزاج کا معتدل ہونا بھی اسی مفہوم میں شامل ہے۔ (علمی لغت) یہ تمام معانی ومفاہیم اپنی شانِ جامعیت اور معنویت کے ساتھ، قرآن کے الفاظ میں اور صاحب قرآن کی ذات میں کماحقہٗ موجود ہیں۔

ہر نبی اور رسول اپنی قوم کے لئے حُجت ہوتا ہے۔ بالکل اسی طرح، جس طرح وحی الٰہی

حُجت ہوتی ہے۔ اسی لیے تو وحی الٰہی کے مفہوم کو نبی کے کردار و عمل کی روشنی میں پرکھا جاتا ہے۔ اور نبی کے کردار و عمل کو وحی الٰہی کی روشنی میں دیکھا جاتا ہے۔ اور یہ دونوں قسمیں، معاشرہ کی تشکیل میں یکساں محوری کردار ادا کرتی ہیں۔ جسے ہم اپنی اصطلاح میں قرآن وسنت کہتے ہیں۔ قرآن تواتر قولی سے ہم تک پہنچا ہے اور سنت تواتر عملی سے اور یہی وہ سنت ہے۔ جسے قرآن کی زبان میں اُسوۂ حسنہ کہا گیا ہے۔

لقد کان لکم فی رسول اللہ اُسوۃ حسنہ۔ (الاحزاب ۲۱)۔

روشن خیال اور اعتدال پسندی کی اصطلاحات کا مصداق اتم، سوائے اسلام کے، اور کوئی نہیں ہو سکتا۔ اسلامی تعلیمات سے بڑھ کر واضح، صاف، منور اور درخشاں وتاباں ہدایات کا مصدر اپنی حالت اصلی میں اب کسی مذہب کے پاس نہیں ہے۔ چونکہ اسلام دنیا کا آخری "مذہب" ہے۔ اس لیے اس کا ان تمام خصوصیات کا حامل ہونا ضروری بھی ہے۔ وگرنہ اس کا "مذہب آخری" ہونا غیر معقول اور غیر منطقی ہو جائے گا۔ اسلام کی تمام تعلیمات کا جوہر، اس کا معتدل ہونا ہے۔ یہ وہ بنیادی وصف ہے۔ جو گزرتے وقت کے ساتھ ساتھ، حقائق کی دنیا میں مشہود ہو رہا ہے۔

آیئے ذیل میں اسلام کے نظام معاشرت کا جائزہ لیں اور دیکھیں کہ روشن خیالی اور اعتدال پسندی کس طرح اسلام کا خاصہ ہے۔

۱۔ اسلام انسانوں کے مابین پیدائشی امتیازات وفضائل کو تسلیم نہیں کرتا: یاایھا الناس انا خلقنکم من ذکر و انثیٰ وجعلنکم شعوبا و قبائل لتعارفوا ان اکرمکم عنداللہ اتقاکم۔ الخ (الحجرات ۱۳)

اے لوگو! ہم نے تمہیں ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا اور تمہیں مختلف شاخوں اور قبیلوں میں تقسیم کیا تاکہ تم ایک دوسرے کو پہچانو۔ تم میں اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ معزز و مکرم اور شریف ومحترم وہ ہے، جو سب سے زیادہ اس کے قانون کو توڑنے سے ڈرتا ہے۔

اس آیت کے ذریعے تعلیم یہ دی گئی ہے کہ انسانوں کی اصل چونکہ ایک ہے۔ اسلئے اصولی طور پر تمام انسانوں کو یکساں اہمیت حاصل ہے۔ کسی خاندان اور قبیلہ میں ہونا چونکہ اس کے اختیار میں نہیں ہے۔ اسلیے اس بنیاد پر کوئی کسی سے افضل و اعلیٰ بھی نہیں۔ یہ تقسیم محض باہمی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تعارف وشناخت کے لئے ہے نہ کہ برتری اور کمتری پیدا کرنے کے لئے۔ اسلام کی تعلیم کا یہ اصول ان اکرمکم عند اللہ اتقاکم۔ ایک ایسی بنیاد فضیلت فراہم کرتا ہے۔ جس کا مقابلہ دنیا کا کوئی مذہب نہیں کرسکتا۔ یعنی وہ تمام قومی تفریقات وامتیازات کو یکسر ختم کردیتا ہے۔ کیونکہ یہی وہ جھوٹے امتیازات ہیں کہ جنکی بنیاد پر لوگ نہ صرف یہ کہ فخر بے جا کرتے ہیں بلکہ دوسروں پر ظلم وزیادتی بھی کرتے ہیں۔ آج پوری دنیا میں انسانوں کے مابین نسلوں اور رنگوں، خاندانوں اور قبیلوں میں جو جھگڑے پائے جاتے ہیں۔ وہ سارے کے سارے اسلام کے اصول مساوات نسل انسانی کے ذریعہ حل کیے جاسکتے ہیں۔ یہ خصوصیت دنیا کے کسی بھی مذہب کو حاصل نہیں ہے۔

بیہقی کی ایک روایت میں حجۃ الوداع کے خطبہ میں یہ الفاظ آئے ہیں۔ یا ایھا الناس الا ان ربکم واحد لا فضل لعربی علیٰ عجمی ولا لعجمی علیٰ عربی ولا لاسود علیٰ احمر ولا لا حمر علی اسود الا بالتقوی۔ یعنی اے لوگو! تمہارا رب ایک ہی ہے۔ پس کسی عربی کو عجمی پر اور کسی عجمی کو عربی پر کوئی برتری حاصل نہیں ہے اور اسی طرح نہ کسی کالے کو گورے پر اور نہ کسی گورے کو کالے پر کوئی فضیلت حاصل ہے سوائے تقویٰ کے۔ یہ حدیث دراصل آیت مذکورہ کی تفسیر میں ہی ارشاد ہوئی ہے۔

پیر محمد کرم شاہ الازہری اپنی تفسیر ضیاء القرآن میں رقمطراز ہیں: ”بھارت جسے دنیا بھر میں سب سے بڑا جمہوری ملک ہونے کا دعویٰ ہے۔ وہاں آج بھی طبقاتی امتیازات جوں کے توں قائم ہیں۔ بھارت کے طول وعرض میں اس بیسویں صدی میں بھی اچھوت نہ اعلیٰ ذات کے ہندوؤں میں جاکر پوجا پاٹ کرسکتے ہیں اور نہ ہی ان کے کنوؤں سے پانی بھر سکتے ہیں۔

امریکہ میں بے شمار ایسے ہوٹل ہیں۔ جن کے دروازوں پر جلی حروف میں لکھا ہوتا ہے ”ریڈ انڈین (وہاں کے اصلی باشندے) اور کتے داخل نہیں ہوسکتے“۔ سفید فام باشندوں کے اسکول اور کالج تک مخصوص ہیں۔ جہاں سیاہ فام حبشی تعلیم حاصل نہیں کرسکتے۔ اپنی قومی برتری کا یہ غرور تھا، جس نے جرمن قوم میں ہٹلر کا روپ اختیار کیا اور کروڑوں انسانوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔[1]

۲۔ اسلام نے معاشرہ کی تشکیل بھی اصول مساوات پر کی ہے۔ اس نے آقا وغلام کی تمیز کو، جو ہزاروں سال سے انسانوں میں چلی آرہی تھی، اسے اپنی اصولی تعلیمات کے نتیجہ میں بالآخر ختم کرکے رکھ دیا۔ اور انسانوں کو انسانوں کی غلامی سے نجات بخشی۔ روایت میں آتا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے بنی بیاض کو حکم دیا تھا کہ ابو ہند سے اپنی ایک عورت کی شادی کردیں تو انہوں نے کہا یارسول اللہ ﷺ کیا ہم اپنے موالی سے شادی کردیں۔ جس پر یہ آیت (ان اکرمکم عند اللہ اتقاکم) نازل ہوئی اور آنحضرت ﷺ نے خود زینب جیسی اعلیٰ خاندان کی عورت سے شادی زید بن حارثہ سے کی جو آپ کے آزاد کردہ غلام تھے۔ اس طرح قرآن نے الحر بالحر والعبد بالعبد والانثیٰ بالانثیٰ۔۔۔ الخ (البقرہ/۱۷۸) کہہ کر قصاص میں آزاد اور غلام ہر دو میں برابری، یکساں نوعیت کی حامل قرار دے دی۔ یعنی عہد جاہلیت کی اس رسم قبیح کی بیخ کنی فرمادی کہ جسمیں آزاد قاتل کو مقتول غلام کے بدلہ میں قتل نہیں کیا جاتا تھا۔ کیونکہ قاتل اور مقتول حرمت نفس کے پہلو سے یکساں حقوق کے حامل نہیں تھے۔

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری روایت کرتے ہیں زمانہ جاہلیت میں جب دو قبیلے آپس میں لڑتے، ایک معزز قبیلہ ہوتا اور دوسرا پسماندہ قبیلہ کا غلام معزز قبیلہ کے غلام کو قتل کردیتا تو معزز قبیلہ کہتا تھا کہ ہم اپنے غلام کے بدلے میں پسماندہ قبیلہ کے آزاد شخص کو قتل کریں گے۔ اس طرح اگر پسماندہ قبیلہ کی کوئی عورت معزز قبیلہ کی کسی عورت کو قتل کردیتی تو معزز قبیلہ کہتا تھا کہ ہم اپنی عورت کے بدلہ میں پسماندہ قبیلہ کے مرد کو قتل کریں گے تو ان کے رد میں یہ آیت نازل ہوئی ہے اور اسلام نے اس جاہلانہ رسم کو اڑا کر رکھ دیا اور لوگوں کو بتایا کہ حرمت نفس میں غلام وآقا میں کوئی تمیز اور تفریق نہیں ہے۔

یہ حکم دراصل افراط وتفریط کے ان رویوں کو اعتدال پر لانے کے لئے دیا گیا تھا۔ جو عربوں کی جاہلی دنیا میں رائج تھے۔ اس سے نفس مسئلہ میں مرد، عورت اور غلام کے مابین مساوات کا اصول بالکل واضح اور قطعی شکل میں دنیا کے سامنے آیا ہے۔ گویا معلوم ہوا کہ آزاد کا خون، اسی طرح محترم ہے جس طرح کسی غلام کا، اور جس طرح کسی عورت کا۔ اس آیت کی موجودگی میں آزاد کے خون کی کسی غلام کے خون پر برتری کبھی بھی ثابت نہیں ہوسکتی۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۳۔ اسلام دنیا کے تمام مرد وعورت کو یکساں حقوق فراہم کرتا ہے۔ ولھن مثل الذی علیھن بالمعروف ۔الخ (البقرہ/۲۲۸) اور دستور کے مطابق عورتوں کے بھی مردوں پر اسی طرح حقوق ہیں۔ جیسے مردوں کے عورتوں پر۔ یہ ایک ایسی حقیقت ہے، جس سے دنیا کے تمام مذاہب بے خبر معلوم ہوتے ہیں۔ یہاں تک کہ تہذیب جدید کے علمبرداروں کے ہاں بھی یہ اصول اپنے حقیقی رنگ میں نظر نہیں آتا۔ واضح ہو کہ زمانہ جاہلیت میں عورتوں کے حقوق کا کوئی تصور موجود نہیں تھا۔ بلکہ عورت، بمنزلہ شے کے جائیداد تصور کی جاتی تھی۔ اسلام نے عورت کو "چیز" ہونے سے نکالا اور اسے وہی مرتبہ انسانیت عطا کیا۔ جو مردوں کو حاصل ہے۔ اسلام میں عورتوں کے ساتھ حسن سلوک اور ان کے حقوق کے تعلق سے جس قدر ارشادات پائے جاتے ہیں۔ اس کا دسواں حصہ بھی کسی مذہب میں نہیں پایا جاتا بلکہ دیگر مذاہب کی مقدس کتابوں میں عورتوں کی کمتری، کہتری اور حقیر ہونے کا ذکر کیا گیا ہے۔

یہود کی معتبر و مستند "جیوش انسائیکلو پیڈیا" کے مطابق، معصیت اول، چونکہ بیوی ہی کی تحریک پر سرزد ہوئی تھی۔ اس لئے اس کو شوہر کا محکوم کر کے رکھا گیا اور شوہر اس کا حاکم ہے۔ شوہر اس کا مالک و آقا ہے۔ اور وہ اسکی مملوک ہے۔ (جلد ششم ص ۵۰۸) اور مسیحی دنیا سے متعلق مسٹر لیکی (Lecky) فرنگی مسیحی اپنی تاریخ اخلاق یورپ (History of European Morals) میں لکھتے ہیں۔ عقیدہ یہ تھا کہ عورت جہنم کا دروازہ ہے اور تمام آفات بشری کا باعث ہے۔ اسے اپنے کو ذلیل سمجھتے رہنے کے لئے یہی وجہ کافی ہے کہ وہ عورت ہے۔ (جلد سوم، ص ۱۳۲)۔

قرآن نے جہاں عورتوں اور مردوں کے حقوق میں مثلیت و مماثلت بیان فرمائی، وہیں ساتھ ہی یہ بھی فرمایا کہ وللرجال علیھن درجہ۔ البتہ مردوں کو ایک درجہ/ترجیح اپنی عورتوں پر حاصل ہے۔ واضح ہو کہ مرد وزن کے مابین یہ مثلیت و مماثلت، کیفیت و کمیت کے اعتبار سے نہیں بلکہ نفس وجوب کے لحاظ سے ہے (تفسیر کشاف و بیضاوی) قرآنی لفظ "درجہ" نگاہ میں رہے تو صاف دکھائی دے گا کہ مرد عورتوں کے مالک نہیں ہیں اور نہ ہی عورتیں، مردوں کی باندیاں ہیں۔ بلحاظ حقوق دونوں ایک سطح پر ہیں۔ مرد کو عورت پر ایک گونہ ترجیح و فضیلت کا ضرور حاصل

© rasailojaraid.com

ہے۔ اور یہ بات اسلام کے قانون ترجیح کے پہلو سے انتہائی ضروری اور معقول ہے۔

قرآن نے مرد وزن کی مساوات حقوق کے ضمن میں، اس اصول کو بیان کر کے، خاندان میں قوامیت اور فضیلت کا مقام مرد کو دے دیا ہے تا کہ گھر کا نظم ونسق بہتر انداز میں چلایا جاسکے۔ بصورت دیگر نظم ونسق برباد ہو سکتا ہے۔ یہ فضیلت بالکل ویسی ہی ہے۔ جیسی کسی سربراہ ریاست کو ریاست میں اور سربراہ حکومت کو، حکومت میں حاصل ہوتی ہے۔ بغیر سربراہ کے کوئی ریاست اور حکومت قائم نہیں ہوئی۔ گھر بھی ایک چھوٹی سی ریاست ہوتا ہے۔ وہاں بھی کسی کو سربراہ ہونا چاہیے۔ اور وہ سربراہ اللہ تعالیٰ نے مرد کو بنایا ہے۔ مگر وہ اپنی سربراہی کا ناجائز فائدہ نہیں اٹھا سکتا۔ کیونکہ عورت کو ماں بننے کی صورت میں اپنے بچوں پر وہ مقام اور درجہ حاصل ہو جاتا ہے جو کسی مرد کو حاصل نہیں ہوتا اور وہ ہے اس کے قدموں میں جنت کا ہونا۔ اس طرح اسلام نے ایک جگہ مرد فضیلت بخشی ہے تو دوسری جگہ عورت کو بھی فضیلت بخشی ہے۔ اور یوں دونوں اصناف کو اپنی اپنی جگہ اک گونہ فضیلت میں مساوات کا درجہ حاصل ہو گیا ہے۔ اتنی خوبصورت اور توازن بدوش تعلیم، دنیا کے کسی مذہب میں نہیں پائی جاتی۔ جن قوموں نے بالخصوص مغربی اقوام نے اس توازن بدوش اصول فضیلت کو نظر انداز کر کے، مرد وزن میں مطلق برابری کا نعرہ لگایا تھا۔ آج وہ اپنے خاندانی نظام کی بربادی کا مرثیہ پڑھ رہے ہیں۔ اور دنیا کے سامنے تماشا بنے ہوئے ہیں۔

۴۔ دین میں کوئی زبردستی نہیں ہے۔ لا اکراہ فی الدین ۔الخ (البقرہ/۲۵۶)

یعنی اسلام کسی کو بالجبر داخل اسلام نہیں کرتا اور نہ ہی کسی کو بالجبر اسلام میں رکھنا چاہتا ہے۔ کیونکہ ایمان نام ہے اقرار باللسان و تصدیق بالقلب کا اور تصدیق قلبی کا جبر واکراہ سے کوئی تعلق نہیں بنتا۔ اسلحہ کے زور سے کسی کو زبردستی کلمہ پڑھانے والے اپنی آستینوں میں سانپ تو پال سکتے ہیں۔ کسی کو مسلمان نہیں بنا سکتے۔ اس لئے کہ مسلمان بننے کے لئے دل کا ارادہ ضروری ہے۔ نہ کہ موت کا خوف۔ جبر کا مارا انسان، اسلام میں مسلمان بن کر تو نہیں البتہ منافق بن کر ضرور رہ سکتا ہے۔ اسلام نے لا اکراہ فی الدین کا نعرہ لگا کر جس روشن خیالی اور اعتدال پسندی کا مظاہرہ کیا ہے۔ اسکی مثال بھی دنیا کے کسی مذہب میں نہیں ملے گی۔ گویا قرآن نے انسان کے ذہن وفکر پر کوئی پہرہ نہیں بٹھایا بلکہ اسے ارادہ کا اختیار دے کر حریت فکر وعمل بھی

© rasailojaraid.com

عطا کی ہے۔

انسان اپنی آزاد مرضی سے اپنی زندگی کا لائحہ عمل طے کرتا ہے۔ اسے اتنا بڑا اختیار اس لئے دیا گیا ہے کہ قَدْ تَبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ۔ الخ (البقرہ/۲۵۶) رشد و ہدایت، گمراہی کے مقابلہ میں بالکل واضح ہو چکی ہے۔ قرآن کو اپنی ہدایت کی قطعیت، واضحیت اور نتیجہ خیزی پر کس قدر اعتماد ہے؟ یہ دعویٰ وہی کر سکتا ہے، جسکے پاس ہر اعتبار سے ہر پہلو سے کامل ہدایت نامہ موجود ہو۔ اور یہ کہ جس نے انسانوں کو عقل و ادراک میں بالغ تسلیم کر کے اسے تکریم انسانیت بخشی ہو۔ یہ آیہ مبارک، دنیائے مذاہب میں انقلاب عظیم کا اعلامیہ ہے۔ اس لیئے کہ دنیا میں جسقدر قتل و غارت گری، مذہب کے نام پر ہوئی ہے۔ اتنی کسی بھی نام پر نہیں ہوئی۔ تاریخ اس قسم کی لڑائیوں سے بھری پڑی ہے۔ مذہب کے نام پر جنگ کرنے والوں کے خلاف قرآن کریم کا یہ اعلان دراصل بہت بڑا انقلابی قدم ہے کہ دین کے اختیار و ترک میں کسی قسم کا جبر نہیں ہے۔

۵۔ اسلام کی ہدایت کا مرکز و منبع وحی الٰہی اور سنت رسول ﷺ ہے۔ جسکا سمجھنا عقل پر موقوف ہے یوں عقل تابع وحی و سنت ہو کر انسانوں کو علم فراہم کرتی ہے۔ اور رہنمائی کا فریضہ انجام دیتی ہے۔ اور عقل چونکہ ایک ارتقاء پذیر شے ہے جو روز بروز بڑھتی ہے۔ قرآن میں انسان کے ذہنی ارتقاء کی طرف اس آیت میں ذکر کیا گیا ہے۔ وقد خلقكم اطوارا (نوح/۱۴) اس کا مفہوم یہ ہے کہ بے شک ہم نے تمھیں بحیثیت نوع ایک حال سے دوسرے حال یا ایک درجے سے دوسرے درجے میں بتدریج ترقی کرتا ہوا انسان بنا کر پیدا کیا ہے۔ بایں مفہوم اس آیت میں انسان کے اس ارتقائی سفر کی طرف اشارہ ہے۔ جو صدیوں پر محیط ہے۔ دراصل یہ سفر انسان کے ذہنی، علمی اور عقلی ارتقاء کا سفر ہے۔ جو بحیثیت مجموعی ہمہ دم جاری و ساری ہے اور آئندہ بھی جاری رہے گا۔ مع اس لئے ہر دور کے عقلی تقاضے، قرآن و سنت کی روشنی میں دیکھے جائیں گے اور حسن و قبح، صحیح اور غلط اور ہدایت و گمراہی کے باب میں فیصلے کئے جائیں گے۔

۶۔ اسلام کسی مذہب و نسل اور تعلق و وصل کے امتیاز کے بغیر عدل و انصاف کا حکم دیتا ہے۔ یہاں تک کہ وہ اپنے بدترین دشمنوں سے بھی عدل کا حکم دیتا ہے۔ ولا يجرمنكم شنان قوم علىٰ ان لا تعدلوا اعدلوا هو اقرب للتقوىٰ۔ الخ

(المائدہ/۸) اور کسی قوم کی دشمنی تم کو اس پر آمادہ نہ کرے کہ تم انصاف نہ کرو۔ انصاف کرو یہ تقویٰ سے قریب تر ہے۔ ولا يجرمنكم شنان قوم والا فقرہ اسی سورہ کی آیت نمبر ۲ میں بھی آیا ہے۔ یہاں اس فقرہ کا اعادہ اس حکم کی خصوصی تاکید کے لئے ہے۔ دراصل کسی قوم کی دشمنی بالعموم عدل و انصاف کی راہ سے ہٹ جانے کے لئے کافی ہوتی ہے۔ مسلمانوں کے تمام مذاہب و مسالک اور انکی مختلف جماعتیں، اس جملہ سے سبق لیں کہ جس میں دشمن اسلام قوم یعنی کفار تک سے عدل و انصاف کا حکم دیا گیا ہے۔ چہ جائیکہ وہ اپنے کلمہ گو بھائیوں کے ساتھ کوئی ظلم و زیادتی کریں اور سے عین عدل سمجھیں۔

اسلام تو یہ چاہتا ہے کہ اس کے ماننے والوں کے پاس دوستوں اور دشمنوں ہر دو کے لئے یکساں باٹ اور ایک ہی ترازو ہو۔ مگر افسوس کہ ہمارے ہاں مختلف جماعتیں خواہ وہ مذہبی ہوں یا غیر مذہبی، جس بنیاد پر قائم کی جاتی ہیں۔ وہ اپنے کارکنوں میں ایسی عصبیت پیدا کر دیتی ہیں، جس کے نتیجے میں وہ ہر حال میں اپنی جماعت کے افراد کو سپورٹ (Support) کرتے ہیں۔ قطع نظر اس کے کہ وہ مبنی بر صائب و صحیح ہوں یا غلط۔ اور یہ قرآن مجید کے صریح خلاف ہے۔

عدل و انصاف کی تاکید میں یہ آیت بھی ہیرے کی طرح جگمگا رہی ہے:

كُونُوا قوّامين بالقسط شهداء لله ولو علىٰ انفسكم أوِلو الدين
والاقربين۔۔۔ الخ (النساء/۱۳۵)

انصاف پر قائم ہونے والے، اللہ کے لئے گواہی دینے والے بنو۔ گو (یہ گواہی) تمہاری اپنی ذات
یا ماں باپ اور قریبوں کے خلاف ہی کیوں نہ ہو؟

اتنی واضح اور کھلی ہوئی ہدایت کے بعد بھی اگر لوگ پارٹی ورکر، پیر بھائی، ہم مسلک، ہم زبان، اور ہم علاقہ ہونے کی بنیاد پر ایکدوسرے سے سپورٹ چاہیں اور سپورٹ کریں ہر چند کہ وہ غلط بھی ہوں۔ تو بتایئے کہ معاشرے میں عدل و انصاف کیسے قائم ہوگا؟ مطلوب معاشرہ کی تشکیل میں یہ عنصر سب سے زیادہ اہمیت کا حامل ہے۔

۷۔ اسلام، اہل کتاب کو یک رنگ اتحاد و موافقت، قبول حق کی دعوت دیتا ہے: قل يا اهل الكتاب تعالوا الىٰ كلمته سواء بيننا و بينكم۔۔۔ الخ (آل عمران/۶۴)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

فرمایئے اے اہل کتاب آؤ اس کلمہ کی طرف، جو ہمارے اور تمہارے درمیان برابر ہے۔ (یعنی مشترک بات کہ جسمیں توریت، انجیل اور قرآن مجید تینوں کا اتفاق ہے) مطلب یہ کہ کامل توحید اور ترک شرک، کیونکہ یہودیت اور مسیحیت دونوں مذہبوں کی بنیاد اسی اصل پر قائم تھی۔ جسے یا تو بھلا دیا گیا یا دبا دیا گیا۔ توریت تو خیر تاکید توحید اور ممانعت شرک سے لبریز ہے۔ انجیل تک میں یہ تعلیم موجود ہے۔

''یسوع نے اس سے کہا اے شیطان دور ہو، کیونکہ لکھا ہے کہ تو خداوند اپنے خدا کو سجدہ کر اور صرف اسی کی عبادت کر'' (متی ۴:۱۰)

''یسوع نے جواب میں اس سے کہا، لکھا ہے تو خداوند اپنے خدا کو سجدہ کر اور صرف اسی کی عبادت کر'' (لوقا ۴:۸)

ان حوالوں سے یہ بتانا مقصود ہے کہ توحید ایک ایسی زندہ و جاوید حقیقت ہے جو تمام مذاہب میں بالعموم اور اہل کتاب میں بالخصوص جانی پہچانی اور معروف و مسلم تھی۔ اس لئے قرآن مجید نے اسی مشترک کلمہ کو بنیاد بنا کر اہل کتاب کو اتحاد کی دعوت دی ہے تاکہ وہ اسی قدر مشترک کو معیار بنا کر حقیقت کا کما حقہ ادراک کر سکیں۔ اور یہ جان سکیں کہ حق اب سوائے اسلام کے کہیں اور نہیں ہے۔ کیونکہ اس معیار پر سوائے اسلام کے اب کوئی مذہب پورا نہیں اترتا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلام کی تبلیغ، دلائل و بصائر پر مبنی ہونی چاہیے نہ کہ محض جذبات اور بے بصیرتی پر۔ یہ ہے تبلیغ و دعوت کے باب میں اسلام کی روشن خیالی اور اعتدال پسندی۔ اسلام کی حدود میں پرورش پانے والے تمام مکاتب و مذاہب اور مسالک کے لئے بھی اسمیں ایک عظیم سبق پنہاں ہے۔

۸۔ اسلام تمام آسمانی کتابوں کا یکساں احترام کرتا ہے۔ اور ان کے پیروؤں کو انکی اصل تعلیمات کے نفاذ پر زور دیتا ہے۔ یہ وہ رویہ ہے، جو کسی مذہب نے اس سے پیشتر اختیار نہیں کیا۔ یہ قرآن مجید کے کامل ترین اور اسکے دیگر آسمانی کتابوں سے جامع ہونے کا ثبوت ہے۔ بلاشبہ قرآن مھیمن ہے۔ (المائدہ/۴۸) یعنی تمام صحف سماوی کا محافظ و نگراں۔ اس لیے کہا جا سکتا ہے کہ کسی بھی معاشرہ میں قرآن کا نفاذ دراصل تمام آسمانی کتابوں کا نفاذ ہوگا۔ جو کہ اپنی کامل اور محفوظ ترین شکل میں دنیا کے ہر شخص کی دسترس میں ہے۔

قل یا اہل الکتاب لستم علیٰ شئی ء حتیٰ تقیمو التوراۃ والانجیل وما انزل الیکم من ربکم ط۔۔۔ الخ (المائدہ/۶۸)

فرمایئے اے اہل کتاب تمہاری کوئی بنیاد نہیں ہے۔ جب تک تم تورات، انجیل، اور اس چیز کو قائم نہ کرو، جو تمہاری طرف تمہارے رب کی جانب سے اتاری گئی ہے۔ (یعنی دیگر انبیائے بنی اسرائیل پر نازل ہونے والے احکام)

اسلام دنیا کا واحد مذہب ہے۔ جو تمام مذاہب کے ماننے والوں کو انکی اصل کتابوں پر عمل کرنے کا درس دیتا ہے۔ کیا اس سے بڑھ کر بھی اعتدال پسندی اور روشن خیالی کسی کے ذہن میں آسکتی ہے؟ تعجب ہے ان لوگوں پر، جو بالجبر اسلام پھیلانے کے حامی ہیں یا بالجبر اپنے مسلک کو فروغ دینا چاہتے ہیں۔ اس طرح یہ آیت بھی دیکھیے۔

ولو انّھم اقاموا التوراۃ والانجیل وما اُنزِلَ الیھم من رّبّھم لاکلوا من فوقھم ومن تحت ارجلھم ط منھم اُمّۃ مُقتصدہ ط (المائدہ/۶۶)

اور اگر وہ توریت اور انجیل کو اور جو انکی طرف انکے رب کی طرف سے اتارا گیا ہے، قائم رکھتے تو اپنے اوپر سے اپنے پاؤں کے نیچے سے کھاتے رہتے اور ان میں سے ایک گروہ میانہ رو ہے۔

یہ آیت گذشتہ آیت سے جو واقدرے مختلف مفہوم رکھتی ہے۔ آیت گذشتہ میں وما انزل الیکم من ربکم ؏ سے مراد دیگر انبیائے بنی اسرائیل کے صحائف تھے۔ جبکہ یہاں وما انزل الیھم من ربھم سے مراد قرآن مجید ہے۔ یے گویا اس آیت میں اہل کتاب سے انکی کتابوں کے نفاذ کا تذکرہ قرآن مجید کے اشتراک سے کیا گیا ہے۔ یہ وہ آیات کریمہ ہیں، جو بین المذاہب مکالمہ کی بنیاد بنتی ہیں۔ اور عصر حاضر میں اس طرح کے مکالمے کی ضرورت ایک بار پھر پیدا ہوگئی ہے۔ کیا کوئی ہے۔ جو سوچے اور سمجھے؟

اس مفہوم پر سورہ المائدہ کی آیات ۴۳ تا ۴۷ بھی دیکھی جا سکتی ہیں۔ جن میں توریت کی بابت کہا گیا ہے کہ انا انزلنا التوراۃ فیھا ھدی و نور۔۔۔ الخ۔ ہم نے توراۃ نازل کی، جس میں ہدایت اور روشنی ہے۔ اور اس کتاب کے عدم نفاذ کے حوالے سے فرمایا۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ومن لم یحکم بما انزل اللہ فاؤلیک ھم الکافرون ۔ جو لوگ اللہ کے نازل کردہ قانون کے مطابق فیصلہ نہ کریں، وہی کافر ہیں۔ مزید فرمایا ومن لم یحکم بما انزل اللہ فاؤلیک ھم الظالمون. اور انجیل کی بابت فرمایا گیا۔ وا تینہ الانجیل فیہ ھدی نور ۔۔۔ الخ۔ اور ہم نے اسکو (عیسیٰ علیہ السلام) انجیل عطا فرمائی، جسمیں ہدایت اور روشنی ہے۔ اور عیسائیوں سے تعلق سے فرمایا کہ ولیحکم اھل الانجیل بما انزل اللہ فیہ ط ومن لم یحکم بما انزل اللہ فاؤلیک ھم الفاسقون ۔ ہمارا حکم تھا کہ اہل انجیل، اس قانون کے مطابق فیصلہ کریں، جو اللہ نے اسمیں نازل کیا ہے۔ اور جو لوگ اللہ کے نازل کردہ احکام کے مطابق فیصلہ نہ کریں وہی فاسق ہیں۔

۹۔ اسلام کی نگاہ میں تمام مذاہب کی عبادت گاہیں یکساں محترم اور معزز ہیں۔ بشرطیکہ وہ واقعی عبادت گاہیں ہوں۔ مسجد ضرار (التوبہ/۱۰۷) کی طرح فتنہ پروری کی آماجگاہیں نہ ہوں۔

ولولا دفعُ اللہِ النّاسَ بعضَھم ببعضٍ لھُدِّمَتْ صَوامعُ وبِیَعٌ ” وَ صَلوٰت و مساجدُ یُذکر فیھا اسمُ اللہِ کثیرا ط ۔۔۔ الخ (الحج/۴۰) اور اگر اللہ ان لوگوں کا زور ایک دوسرے سے نہ گھٹاتا رہتا تو درویشوں کی خانقاہیں، عیسائیوں کے گرجے، یہودیوں کے معبد اور مسلمانوں کی مسجدیں کہ جن میں اللہ کا نام کثرت سے لیا جاتا ہے۔ (سب) منہدم ہو گئے ہوتے۔

عبدالحق حقانی نے اپنی تفسیر میں لکھا ہے کہ ”بعد تحریف کے بھی، انکی عزت فی الجملہ باقی ہے۔ کس لیے کہ ان میں بھی تو اللہ ہی کی عبادت کی جاتی ہے“ ۔۸

اور علامہ غلام رسول سعیدی نے یہود و نصاریٰ کی عبادت کے مقامات اور مسلمانوں کی عبادت کے مقامات کو جمع کرنے کی متعدد توجیہات میں سے ایک توجیہ میں لکھا ہے کہ ”اس سے مراد یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں بھی ان کے معابد کی حفاظت کی گئی۔ کیونکہ ان عبادت گاہوں میں بہر حال اللہ تعالیٰ کا نام لیا جاتا ہے“ ۔۹

واضح ہو کہ قرآن مجید میں اس مقام پر جنگ و قتال کا ذکر کیا گیا تھا۔ اس لیے مسلمانوں کو اسلامی جنگ کی غرض یہ بتائی گئی کہ وہ صرف مسجدوں کے تحفظ کے لئے نہیں ہے۔ بلکہ دنیا کے

ہر مذہب کے معبد کی حفاظت کے لیے ہے۔ یہاں تک کہ نجی طور پر درویشوں کے بنائے گئے عبادت خانے بھی اسمیں شامل کر دیے گئے۔

راقم نے اپنے ایک مطبوعہ مقالے میں لکھا ہے کہ:

صحابہ کے زمانے کی جنگوں میں بھی معبدوں کے تقدس کو مدنظر رکھا جاتا تھا کہ کسی راہب کی خانقاہ اور عبادت گاہ کو نقصان نہ پہنچ جائے۔ بلکہ بعض معاہدات کی رو سے کلیساؤں کی حفاظت اور ان کی تعمیراتی دیکھ بھال کا انتظام بھی اسلامی حکومت کے ذمہ تھا۔ یہ فقط اسلام ہی کی خصوصیت ہے کہ اس نہ نے صرف سارے مذاہب کی اصلیت کو خدا کی طرف سے نازل کردہ مانا ہے۔ بلکہ ان کے معبدوں کے تحفظ کو بھی مسلم ریاست کے فرائض میں داخل کر دیا ہے۔

واضح ہو کہ اس حکم میں صرف اہل کتاب شامل نہیں۔ کیونکہ جب ایران فتح ہوا تو وہاں پر موجود مجوسیوں کے ماننے والوں کو اہل کتاب کی مثل قرار دیا گیا۔ اور ان کے ساتھ وہی معاملہ اختیار کیا گیا جو اہل کتاب کے ساتھ کیا جاتا ہے۔ اس کے لیے کمثل اہل کتاب کی اصطلاح وضع کی گئی۔ اور ان کے جان و مال و آبرو کی حفاظت کے ساتھ ان کے عبادت خانوں کی بھی حفاظت کی گئی اور یہی صورت ہندوستان میں بھی پیش آئی۔ یہاں بھی بعض فقہا نے ہندوؤں کو کمثل اہل کتاب کے زمرے میں شامل کر کے مسلم ریاست پر یہ فرض عائد کر دیا کہ وہ غیر مسلموں اور انکی عبادت گاہوں کا تحفظ کرے۔۱۰

کیا روشن خیالی اور اعتدال پسندی کی اس جیسی یا اس سے کمتر کوئی مثال دنیا کا کوئی مذہب پیش کر سکتا ہے؟

اسلام بوقت ضرورت، غیر مسلموں کو اپنی مسجدوں میں نہ صرف آنے کی اجازت دیتا ہے بلکہ انہیں عبادت کرنے کی بھی اجازت دیتا ہے۔ مگر واضح رہے کہ اس ضمن میں اسلام نے کوئی مستقل حکم نہیں دیا ہے۔ تاہم اس کا فیصلہ حاکم وقت یا حاکم علاقہ کر سکتا ہے۔ آنحضرت ﷺ نے نجران کے عیسائیوں کو مسجد نبوی ﷺ میں ٹھہرایا تھا۔

محمد بن اسحٰق نے سیرۃ میں لکھا ہے کہ ساٹھ افراد پر مشتمل، نجران کے عیسائیوں کا ایک وفد آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ نے انہیں مسجد نبوی ﷺ میں ٹھہرایا۔ اور جب

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ان کی نماز کا وقت ہوا تو مسجد میں ہی انہوں نے مشرق کی طرف منہ کر کے نماز پڑھی۔ اس واقعہ سے آنحضرت ﷺ کی وسعت قلبی، روشن خیالی اور اعتدال پسندی کا اندازہ ہوتا ہے۔ کیا یہ وسعت قلبی کسی مذہبی پیشوا کے ہاں دیکھی جا سکتی ہے؟

۱۰۔ اسلام غیر مسلم اقلیتوں کے جان و مال و آبرو کی حفاظت کا امین اور ذمہ دار ہے۔ مسند احمد بن حنبل، بخاری، نسائی اور ابن ماجہ میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ قال رسول اللہ ﷺ من قتل معاهداً لم يرح رائحة الجنة۔ یعنی جو شخص کسی کافر معاہد کو مار دے۔ وہ جنت کی خوشبو نہیں سونگھے گا۔ اور یہی سزا قرآن کریم میں ایک مسلمان قاتل کی بیان کی گئی ہے۔

ومن يقتل مومنًا متعمدا فجزآنه جهنم خالداً فيها وغضب الله عليه ولعنه واعدله عذاباً عظيما۔ (النساء، ۹۳)

اور جو جان بوجھ کر کسی مومن کو قتل کرے تو اسکی سزا دوزخ ہے کہ مدتوں اس میں رہے گا اور اللہ اس پر غضبناک ہوگا اور اس پر لعنت کرے گا اور اسکے لیے اس نے زبردست عذاب تیار کر رکھا ہے۔

خود حضور اکرم ﷺ کا عمل بھی اس امر کی تائید ہے۔ ابو جعفر طحاوی اپنی کتاب شرح معانی والآثار میں لکھتے ہیں: انّ النبیّ ﷺ اُتیَ برجل من المسلمین قد قتل معاهداً من اهل الذمّة فامر به فضرب عُنُقُه وقال انا اولی من وفی بذمته۔ یعنی نبی کریم ﷺ کے پاس ایک مسلمان لایا گیا۔ جس نے ایک معاہد کافر کو، جو اسلامی حکومت کی رعایا بن چکا تھا۔ قتل کر دیا تھا۔ آپ نے اس کے قتل کیے جانے کا حکم دیا اور فرمایا کہ میں عہد کا ایفاء کرنے والوں میں سے سب سے بڑھکر عہد کو پورا کرنے والا ہوں۔ (نیل الاوطار، جلد ششم، ص ۲۸۳)

اسی طرح طبرانی نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نسبت روایت کی ہے کہ ایک مسلمان نے ایک ذمی کو قتل کر دیا تھا تو آپ نے اس مسلمان کے قتل کیے جانے کا حکم دے دیا۔ ملا احمد جیون نے تفسیرات احمدیہ میں لکھا ہے! مسلم و ذمی ہر ایک کے حق میں یہ حکم عام ہے۔ کیونکہ حدود و قصاص میں کفار بھی مخاطب ہیں لہذا ذمی کے عوض مسلم اور غیر مسلم کے عوض ذمی کو مارا جائے

گا۔[۱۱]

علامہ غلام رسول سعیدی رقمطراز ہیں: ''مسلمان کو ذمی کے بدلہ میں قتل نہ کیے جانے کے متعلق آئمہ ثلاثہ کی طرف سے صحیح بخاری کی یہ حدیث پیش کی جاتی ہے کہ مسلمان کو کافر کے بدلہ میں قتل نہیں کیا جائے گا۔ امام ابو حنیفہ کی طرف سے اس حدیث کا جواب یہ ہے کہ یہ حدیث کافر حربی پر محمول ہے۔ اور امام ابو حنیفہ کی دلیل سورۂ بقرہ کی آیت ہے'' اے ایمان والو! تم پر قتل (مقتول) میں قصاص فرض کیا ہے۔ مقتول کا لفظ عام ہے۔ مسلمان اور ذمی دونوں کو شامل ہے۔ اور حربی کافر، قرآن مجید کی ان آیتوں سے مستثنیٰ ہے۔ جن میں کفار اور مشرکین کو قتل کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ اس طرح سورۂ مائدہ میں ہے کہ جان کا بدلہ جان ہے اور صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں یہ حدیث ہے کہ جان کا بدلہ جان ہے''[۱۲]

۱۱۔ اسلام اہل کتاب کے ذبیحہ کو جائز اور حلال قرار دیتا ہے اور مسلمانوں کے طعام کو ان کے لئے اور ان کے طعام کو مسلمانوں کے لئے حلال و جائز کرتا ہے۔ یہ حکم اسلامی معاشرہ میں باہمی رواداری اور الفت و محبت کا داعی ہے اور اسکی علامت بھی:

وطعام الذين اوتو الكتاب حل لكم وطعامكم حل لهم۔۔۔الخ

(المائدہ/۵)

اور اہل کتاب کا کھانا تمہارے لیے حلال ہے اور تمہارا کھانا اس کے لیے حلال ہے۔

۱۲۔ اسی طرح اسلام اہل کتاب کی عورتوں کو منکوحہ بنانے کی بھی اجازت دیتا ہے۔ قطع نظر اس کے کہ وہ مسلمان ہوں یا اپنے مذہب پر ہیں۔ کیا اس سے زیادہ کشادہ دلی اور روشن خیالی، کسی کے حاشیۂ خیال میں بھی آسکتی ہے۔ واضح ہو کہ بیویاں بمطابق قرآن کریم، اپنے شوہروں کی محبت و غمگساری کا مورد ہوتی ہیں۔ وجعل بينكم مودة ورحمة (الروم/۲۱) اور تمہارے اس رشتہ کے مابین اس نے محبت و ہمدردی پیدا کی۔ گویا مسلمان، جب اہل کتاب عورت سے نکاح کرے گا تو لامحالہ اس سے محبت بھی کرے گا، جو قرآن کو مطلوب ہے۔ اور اس طرح یہ نکاح دشمن اقوام سے اتحاد و محبت کا ذریعہ بن جائے گا۔

۱۳۔ یہ امر بھی انتہائی اہمیت کا حامل ہے کہ اسلام، سال کے چار مہینوں (ذوالقعدہ، ذوالحجہ،

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

محرم الحرام اور رجب المرجب) میں جنگ کو حرام قرار دیتا ہے۔ ۱۳ یہ وصف و خصوصیت صرف اسلام کو حاصل ہے۔ باقی مذاہب اس اصول کی مثال اپنے ہاں سے پیش نہیں کر سکتے۔ یہاں تک کہ دیکھی انسانیت کی خدمت اور انسانوں سے پیار کے دعویداروں کے ہاں بھی یہ اصول امن پسندی نہیں ملے گا۔

۱۴۔ اسلام سائنسی تحقیقات کو نہ صرف پسند کرتا ہے بلکہ اس پر لوگوں کو ابھارتا ہے۔ تسخیر کائنات کو انسانی دلچسپی کا موضوع قرار دیتا ہے۔ جبکہ دیگر مذاہب، سائنسی تحقیقات کو، اسلام کے سینکڑوں سال بعد تک، خلاف مذہب سمجھتے رہے۔

یہ سب وہ امور ہیں، جن سے اسلام کی روشن خیالی اور اعتدال پسندی نمایاں ہے۔ ان خصوصیات پر مشتمل معاشرہ کی تشکیل بلاشبہ ہم سب کی ضرورت ہے۔ افسوس کہ یہ ساری باتیں، آج مسلمانوں کے ہاں بھی اجنبی بن چکی ہیں۔ الا ماشاء اللہ۔ اس لئے مسلمانوں کو قرآن کریم اور سیرت طیبہ کی روشنی میں اپنے رویوں اور کردار عمل کا جائزہ لینے کی سخت ضرورت ہے۔ تاکہ کسی سر زمین پر تو ایسا مثالی معاشرہ بالفعل قائم ہو۔ جسے دوسروں کے لئے آئیڈیل بنایا جا سکے۔

حواشی و حوالہ جات

۱۔ ضیاء القرآن، جلد چہارم، ص ۵۹۹۔ ۶۰۰، ضیاء القرآن پبلی کیشنز، گنج روڈ، لاہور، ۱۳۹۹ھ

۲۔ جامع البیان، جلد دوم، ص ۶۱، مطبوعہ دار المعرفۃ، بیروت ۱۴۱۰ھ، بحوالہ تبیان القرآن، جلد اول، ص ۶۸۵، غلام رسول سعیدی، فرید بک اسٹال، ۳۸۔ اردو بازار، طبع ثالث ۱۹۹۹ء۔

۳۔ تفسیر ماجدی، جلد اول، ص ۹۱، حاشیہ نمبر ۸۲۸، عبدالماجد دریابادی، تاج کمپنی لمیٹڈ، کراچی، سنہ اشاعت درج نہیں۔

۴۔ "انسان کا ذہنی ارتقاء" کے عنوان سے راقم نے ایک مضمون لکھا ہے، جس میں وقد خلقکم اطوارا۔ (نوح ۱۴/) کا تفصیلی مفہوم بیان کیا گیا ہے۔ جو انگریزی ماہنامہ دی منارٹ کراچی میں جولائی ۲۰۰۲ء کی اشاعت میں شامل ہے۔ تفصیل کے طالبین اسے ملاحظہ فرما سکتے ہیں۔

۵۔ کتاب مقدس یعنی پرانا اور نیا عہد نامہ۔ بائبل سوسائٹی، انارکلی، لاہور ۱۹۹۵ء۔

© rasailojaraid.com

۶۔ اس سے مراد یہاں توریت اور انجیل کے علاوہ انبیائے بنی اسرائیل کے صحائف و کتب ہیں۔ جو بائبل میں شامل ہیں۔ اس لئے اس آیت میں بالعموم ما انزل الیکم اور ما انزل الیک دونوں سے مراد قرآن مجید کو لے لیا ہے۔ اس لئے وضاحت کرنی پڑی کہ دونوں کا محل الگ الگ ہے۔ جو بنظر تدبر بآسانی سمجھ میں آسکتا ہے۔

۷۔ اس تفسیر کی سند کے لئے آیت ماقبل (المائدہ/۶۵) دیکھئے۔

ولو ان اھل الکتاب امنوا واتقوا لکفرنا عنھم سیئاتھم ولادخلنھم جنت النعیم ۔ اور اگر اہل کتاب ایمان لائے، خدا کے قوانین کو توڑنے سے ڈرتے تو ہم ضرور ان سے انکی برائیاں دور کر دیتے اور ان کو نعمت کے باغات میں داخل کرتے۔

اس مفہوم کو کما حقہ سمجھنے کے لئے آیات ۶۵، ۶۶ کا اکٹھا پڑھنا ضروری ہے۔

۸۔ تفسیر فتح المنان المشہور بہ تفسیر حقانی، جلد پنجم، ص ۱۸۷، الفیصل ناشران و تاجران کتب، غزنی اسٹریٹ اردو بازار لاہور، سنہ اشاعت درج نہیں۔

۹۔ تبیان القرآن، جلد ہفتم، ص ۶۴۲، فرید بک اسٹال، ۳۸۔ اردو بازار، لاہور، ۲۰۰۳ء۔

۱۰۔ نبی کریم ﷺ بحیثیت پیغمبر امن و سلامتی، ص ۱۰، مجلس تفسیر، کراچی، یونیورسٹی کیمپس، جامعہ کراچی۔ ۲۰۰۳ء

۱۱۔ تفسیرات الاحمدیہ فی بیان آلایات شرعیہ۔ جلد اول، ص ۸۳، اردو ترجمہ قاری محمد عادل خان، مولانا محمد فاضل خان، قرآن کمپنی لمیٹڈ، ۳۸۔ اردو بازار، لاہور۔ سنہ اشاعت درج نہیں۔

۱۲۔ تبیان القرآن، جلد اول، ص ۶۸۸۔ ۶۸۹، فرید بک اسٹال، ۳۸۔ اردو بازار، طبع سوم، ۱۹۹۹ء۔

۱۳۔ المائدہ/۲۔ التوبہ/۳۶۔ تفسیرات احمدیہ فی آلایات الشرعیہ۔ جلد اول، ص ۳۸۲، البقرہ/۲۱۷، بخاری، باب ۵، ۷، رقم ۳۱۷۷، البقرہ/۱۹۴، تفسیر جلالین ص ۱۵۸۔ قدیمی کتب خانہ، آرام باغ کراچی۔

© rasailojaraid.com

تفسیر اور اسکے مادے کے مقلوبات کے معانی میں باہمی اشتراکات

محمد صادق
لیکچرار شعبہ اسلامیات
وفاقی اردو یونیورسٹی برائے فنون، سائنس و ٹیکنالوجی، کراچی

تفسیر، ثلاثی مزید فیہ کے باب تفعیل کے وزن پر مصدر ہے اور اس کے اصل حروف (مادہ) "ف، س، ر" ہیں۔ اس میں تا اور یا حروف زائدہ ہیں۔ قرآن مجید میں لفظ تفسیر صرف ایک مرتبہ (۱) سورہ فرقان میں آیا ہے:

ولا یاتونک بمثل الا جئنٰک بالحق واحسن تفسیرا

ترجمہ: اور یہ لوگ تمہارے پاس جو (اعتراض کی) جو بات لاتے ہیں، ہم تمہارے پاس اسکا معقول اور خوب مشرح جواب بھیج دیتے ہیں۔" (۲) (۳۳:۲۵)

تفسیر کے علاوہ فسر کا کوئی اور مشتق قرآن میں نہیں آیا۔ عربی زبان میں "ف س ر" کا مادہ اظہار بیان اور توضیح و تشریح کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ لغوی اعتبار سے تفسیر ان ہی معانی میں استعمال ہوتا ہے جس کے لیے موجودہ دور میں تحقیق (ریسرچ) مستعمل ہے۔ اس مضمون میں عربی اردو کی مشہور لغت "مصباح اللغات" (۳) سے "ف س ر" اور اس مادے سے مقلوب مزید پانچ مادوں کی وضاحت کی گئی ہے۔ واضح رہے کہ یہاں ہم تفسیر کے اصطلاحی مفہوم سے بحث نہیں کر رہے صرف لغوی مفہوم بیان کرنا مقصود ہے۔ اصطلاحی طور پر تفسیر قرآن کے لیے مخصوص ہے۔ "ف س ر" سے فسر کے علاوہ مقلوب کر کے مندرجہ ذیل مزید مصادر بن سکتے ہیں:

۱۔ فسر ۲۔ سفر ۳۔ فرس ۴۔ سرف ۵۔ رفس ۶۔ رسف

۱۔ فسر

(الف) فسر الامر: کسی معاملے کو واضح کرنا، ظاہر کرنا

فسر اصل میں توضیح اور اظہار کے معانی میں ہی استعمال ہوتا ہے۔ دیگر معانی درحقیقت انہی کی فروعات ہیں۔

(ب) فسر المغطی: ڈھکی ہوئی چیز کو کھول دینا

غطاء، غلاف، پردے اور سرپوش کو کہتے ہیں اور اس سے مغطی ہے جس کے معنی ہیں ڈھکی ہوئی چیز اس لیے فسر المغطی کے معنی ہوئے ڈھکی ہوئی چیز سے پردے کو ہٹا کر چھپی ہوئی حقیقت کو آشکارا کرنا۔ دراصل حقیقت متعدد عوامل کی وجہ سے بظاہر نظروں سے اوجھل ہو جاتی ہے۔ ایسے عوامل کی نشاندہی کر کے حقیقت کو تاریکی کے پردوں سے نکال کر واضح کرنے کا نام تفسیر ہے۔

(ج) فسر الطبیب: طبیب کا قارورہ دیکھنا

تفسرۃ، تبصرۃ کے وزن پر مریض کے پیشاب اور ہر اس چیز کو کہتے ہیں جس سے دوسرے پر استدلال کریں۔ قدیم زمانے میں اطباء عموماً مریض کی نبض یا پیشاب دیکھ کر مرض کی تشخیص کرتے تھے۔ اس لیے فسر الطبیب کا مطلب ہے طبیب کا قارورہ دیکھ کر مرض کی تشخیص کرنا یعنی تفسیر کا مطلب ہے کسی نتیجے پر پہنچنے کے لیے تمام دستیاب اسباب و ذرائع کو استعمال کیا جائے اور اپنی رائے کو ہر قسم کے دلائل سے مستحکم کر کے پیش کیا جائے۔

(د) تفسیر: واضح کرنا، ظاہر کرنا

تفسیر مصدر ہے اور اسکی جمع تفاسیر ہے اور یہ تاویل، کشف، وضاحت، بیان اور شرح کے معانی مستعمل ہے۔ موجودہ دور میں تفسیر صرف قرآن کی توضیح کے لیے استعمال ہوتا ہے لیکن پہلے قرآن کے علاوہ دیگر کتب کی شرح کے لیے بھی استعمال ہوتا تھا اور "شرح" کا مرادف (۴) تھا۔ جیسے بنی الرازی کی تفسیر المجسطی، ابو الوفاء البوزجانی کی دیوفنطس کے صناعۃ الجبر اور الخوارزمی کی کتاب جبر و مقابلہ کی تفسیر، مشہور طبیب محمد بن زکریا الرازی کی افلاطون کی کتاب "طیماوس" کی تفسیر مولانا فلوطرخس کی تفسیر التفسیر اور تفسیر کتاب بطلیوس فی تسطیح الکرۃ (۵) قابل ذکر ہیں۔

بقول مقالہ نگار "اردو دائرہ معارف اسلامیہ" بعنوان "تفسیر":

"مسیحی عالم حنین بن اسحاق ترجمہ و تفسیر میں ید طولیٰ رکھتا تھا۔ یونانی علوم کی اکثر مشہور کتابوں اور اسی طرح عربی کی چند کتابوں کی تفسیر لکھی گئیں۔ ان تفسیروں کا عربی ترجمہ ہوا یا عربی زبان میں لکھی گئیں۔" (۶)

(ہ) حرفا التفسیر:

ای (یعنی) اور ان (یہ کہ) تفسیری حروف کہلاتے ہیں۔ انہی سے مبہم لفظ کی وضاحت کی جاتی ہے

ھذا عسجد ای ذھب (یہ عسجد یعنی سونا ہے)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

رأیتُ غضنفراً أی أسداً (میں نے غضنفر یعنی شیر دیکھا)

ان سے کسی قول کے مراد کی وضاحت کی جاتی ہے جیسے ان اذینک ان افعل کذا (میں نے تمہیں اس لیے بلایا تھا کہ تم یہ کام کرو)

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

فاوحینا الیہ ان اصنع الفلک باعیننا ووحینا

ترجمہ: "پس ہم نے ان کی طرف وحی بھیجی کہ ہمارے سامنے اور ہمارے حکم سے ایک کشتی بناؤ" (۷)

(و) استفسار: پوچھنا، وضاحت چاہنا

یہ استفعال کے باب سے ہے جس میں طلب کے معنی پائے جاتے ہیں یعنی کسی حقیقت تک اگر کوئی اپنے مطالعے یا تحقیق کی مدد سے نہ پہنچ سکے تو اس میں کوئی حرج نہیں بلکہ یہ ضروری ہے کہ دیگر محققین سے اس موضوع پر تبادلہ خیال کر کے ان کی آراء سے استفادہ کیا جائے۔ بعض محققین اس بات کو کسر شان سمجھتے ہیں اور اس میں اپنی ہتک محسوس کرتے کہ دیگر ہم عصر محققین سے کسی مسئلہ پر استفسار کریں جبکہ کسی مسئلے کی وضاحت کے لیے تو عام افراد سے بھی استفسار کیا جا سکتا ہے۔ مثال کے طور پر اگر ہم تجارت کے حوالے سے کسی مسئلے پر تحقیق کر رہے ہیں تو تاجروں سے اس مسئلے کے مختلف پہلوؤں کے بارے میں استفسار کیے بغیر ہم کسی صحیح رائے تک پہنچ ہی نہیں سکتے۔

(ز) تفسّر: نہایت باریک بینی اور تدقیق کیساتھ وضاحت چاہنا

تفسر تفعل کے باب سے ہے جس میں کوئی بھی کام بتکلف کرنے کے معنی پائے جاتے ہیں یعنی محقق کے لیے کسی امر کا محض استفسار کافی نہیں ہے بلکہ حقیقت تک پہنچنے کے لیے ضروری ہے کہ زیر بحث موضوع کی مختلف فروعات سے متعلق سوالات مرتب کر کے ان کے جوابات حاصل کیے جاتے ہیں۔ مفروضوں سے بھی کام لینا پڑے تو دریغ نہ کیا جائے۔ ایک موضوع کے مختلف پہلوؤں سے متعلق غور و خوض کیا جائے اور بظاہر غیر متعلق نظر آنے والی چیزوں کو بھی کھنگال لیا جائے کہ شاید ان کا بھی زیر بحث موضوع سے کوئی تعلق نکل آئے اور موضوع سے متعلق کسی پہلو کو تشنہ نہ چھوڑا جائے خواہ اس کے لیے کتنا ہی تکلف گوارا کرنا پڑے۔

(ح) فسرت الفرس: گھوڑے کی زین وغیرہ اتار کر اسے چھوڑ دینا تاکہ آزادی سے گھومے پھرے۔

ابو حیان نے "البحر المحیط" (۸) میں تفسیر کا ایک مفہوم یہ بھی بیان کیا ہے۔ یعنی محقق کو کسی بھی موضوع پر ہر پہلو سے سوچنے کی آزادی ہونی چاہیے۔ اس کی سوچ پر پہرے بٹھانا غلط ہے۔ اس اپنی رائے پوری آزادی سے پیش کرنے کا حق ہونا چاہیے۔ محقق کو مسلکی، معاشی، معاشرتی اور سیاسی بندھنوں میں جکڑ کر رکھنا اور جان و مال کے خطرات سے دوچار کرنا ظلم ہے اور اس کا نتیجہ کسی بھی قوم کے لیے نہایت بھیانک نکلتا ہے۔ چرچ اور سائنس کے کشمکش کی مثال ہمارے سامنے ہے۔ وہاں کلیسا کے غیر حکیمانہ رویے نے لوگوں کو مذہب سے ہی بیزار کر دیا۔

اسلامی تاریخ میں خوارج اور معتزلہ کی مثالیں ہمارے سامنے ہیں کہ تشدد کی وجہ سے ان کا مسلک ہی ناپید ہو گیا۔

(۲) سفر

(الف) سفر الرجل: سفر کرنا

(ب) سفر الصبح: صبح کا روشن ہونا

سفر کو سفر اس لیے کہا جاتا ہے کہ اس سے بہت سی اشیاء اور مقامات کے بارے میں معلومات حاصل ہوتی ہے اور اس سے روشن صبح کی طرح، جہالت کی تاریکیوں کے پردے چاک ہو جاتے ہیں۔ امام راغب اصفہانی (۹) کے نزدیک فسر اور سفر دونوں متقارب المعنی ہیں تاہم دونوں میں فرق یہ ہے کہ "سفر" مادی اشیاء کے کشف اور اظہار کے لیے اور "فسر" معانی کی وضاحت کے لیے استعمال ہوتا ہے۔

(ج) اسفرت المرأۃ: عورت کا چہرہ کھولنا

عورت کا نقاب ہٹا کر اپنا چہرہ کھولنا، اس بات کی علامت ہے کہ اس کے چہرے کے تمام محاسن اور خامیوں کو پرکھا جا سکتا ہے۔ اس لیے عربی زبان میں "مسافر الوجہ" چہرے کے ان حصوں کو کہا جاتا ہے جو نمایاں ہوتے ہیں یعنی تحقیقی سفر سے بالآخر پوشیدہ حقائق بے نقاب ہو جاتے ہیں اور ان کی تمام جزئیات نمایاں ہو کر ہمارے سامنے آ جاتی ہیں۔

(د) سفر البیت: گھر میں جھاڑو دینا

(ہ) السُفارۃ: جھاڑو دینے سے جمع کیا ہوا کوڑا کرکٹ

(و) مِسفرۃ: جھاڑو

گھر کو جھاڑو دے کر صاف کرنے کو "سفر" اس لیے کہتے ہیں کہ گرد و غبار، کوڑا کرکٹ اور گندگی سے گھر کی اصل حالت نظروں سے پوشیدہ ہو جاتی ہے مگر صفائی ظاہر کر دیتی ہے اور گھر کی حقیقت نکھر کر سامنے آ جاتی ہے۔ اسی طرح سے تحقیق میں صفائی از حد ضروری ہے غیر مستند مواد کو کوڑا کرکٹ کی طرح تنقید کی جھاڑو سے صاف کرنا ضروری ہے۔

(ز) سفر الحرب: لڑائی کا ختم ہونا

(ح) اسفر الحرب: لڑائی کا سخت ہونا

لڑائی یا جنگ ایک ایسی چیز ہے جو ہر ایک کو اپنی طرف متوجہ کر لیتی ہے۔ جب عروج پر ہو تو بھی اسے محسوس کیا جاتا ہے اور جہاں ختم ہو جائے تو یہ بھی بالکل واضح ہوتا ہے۔ اس لیے جنگ ختم ہونے کو سفر الحرب اور لڑائی سخت ہونے کو اسفر الحرب کہا جاتا ہے۔ جب بھی کسی مختلف فیہ مسئلہ پر تحقیق کی جاتی ہے تو سخت تنازع اور کشیدگی کی فضا پیدا ہو جاتی ہے مگر فتح دلیل کی ہوتی ہے۔ قوی دلائل کے سامنے سب کو خاموش ہونا پڑتا ہے۔

(ط) سفر الریح الغیم: ہوا کا بادل کو اڑا دینا

© rasailojaraid.com

مطلع ابر آلود ہوتا ہے تو کسی قدر اندھیرا ہوتا مگر جب تیز ہوائیں چلنے سے مطلع صاف ہو جائے اور بادل چھٹ جائیں تو ہر چیز صاف نظر آنے لگتی ہے۔ اسی طرح سے تحقیقی فضاء، تقلید جامد اور کم علمی سے آلودہ سوچ کو اڑا کر رکھ دیتی ہے اور بالآخر حقیقت کا مطلع بالکل صاف کر دیتی ہے۔

(ی) اسفر الشئی: کسی چیز کو جدا جدا کرنا

مختلف اچھی اور خراب چیزیں جب باہم مل جائیں تو ان میں تمیز مشکل ہو جاتی ہے مگر جب انہیں علیحدہ کر دیا جائے کھرے کھوٹے کا فرق صاف ظاہر ہو جاتا ہے۔ تحقیق کی اصل غرض میں یہ ہے کہ صحیح اور غلط کو ایک دوسرے سے جدا کیا جائے اور ثابت شدہ درست حقائق کو علیحدہ کر کے لوگوں کے سامنے پیش کیا جائے تاکہ انہیں پہنچانے میں سہولت ہو۔

(ک) اسفر البعیر: اونٹ کی ناک میں نکیل ڈالنا، اونٹ کو کھیت کے نچلے حصے میں چرانا۔

محقق شتر بے مہار نہیں ہوتا کہ جو اس کے دل میں آئے لکھتا چلا جائے بلکہ تحقیقی اصول وضوابط کا پابند ہوتا ہے۔ اس کی نکیل تحقیقی اصول وضوابط ہوتے ہیں۔ پھر وہ اونٹ جسے نکیل ڈالی ہوتی ہے کسی دوسرے کے کھیت میں نہیں چرتا بلکہ اپنی مخصوص چراگاہ تک محدود رہتا ہے بالکل اسی طرح سے ایک محقق اپنے تحقیقی میدان سے تجاوز نہیں کرتا اور اپنے موضوع بحث سے نہیں ہٹتا۔

(ل) اسفر بین القوم: لوگوں میں صلح کرانا

(م) سفیر: ایلچی، دو قوموں کے درمیان صلح کرانے والا ج سفراء

(ن) السفارۃ: ایلچی گری، قوموں کے درمیان صلح کرانا

ایلچی کو سفیر اس لیے کہا جاتا ہے کہ یہ کسی بھی قوم کا نمایاں فرد ہوتا ہے اور ہر تنازع کو حل کرنے میں پیش پیش ہوتا ہے۔ بالکل اسی طرح ایک محقق متنازع فیہ مسائل میں مختلف طریقوں کے دلائل کا مطالعہ کر کے ایک مدلل رائے پیش کرتا ہے۔ اسی طرح سے باہم دست وگریباں افراد کو شیر وشکر کر دیتا ہے۔ سفارت کاری دراصل اسی بات کا نام ہے کہ کسی تنازع کے مختلف پہلوؤں کا مطالعہ کر کے، دلائل کی روشنی میں اپنے موقف کو پیش کیا جائے۔

(س) سفر الکتاب: لکھنا

(ع) سفر: بڑی کتاب: توریت کے اجزاء میں سے ایک جز ج اسفار

(ف) السفورۃ: تختی کہ جس پر حساب لکھیں اور نقل کرنے کے بعد مٹا دیں۔ ان تینوں الفاظ میں بھی وضاحت کے معانی پائے جاتے ہیں کیونکہ کتاب اور تختی میں ہر چیز واضح اور جلی حروف میں لکھی ہوتی ہے۔

سفر کے دیگر مشتقات میں بھی اظہار و کشف کے معانی پائے جاتے ہیں جیسے

(ص) اسفر الوجہ: چہرہ خوبصورت و منور ہونا

(ق) السفر مقدم راسہ: سر کے اگلے حصے کے بال جھڑنا

(ر) اسفر الشجر: پتے گرنا

(ش) السفر: جسم انسانی کا داغ ج سفور

(ت) السفرۃ: زاد سفر، دسترخوان ج سفر

(ث) السفار و السفارۃ: مہار، چمڑا یا لوہا جس کو اونٹ کی ناک پر رکھتے ہیں ج اسفرۃ وسفائر

(۳) فرس

(الف) افرس فراسۃ بالعین: ظاہر نظر سے باطن کو معلوم کرنا

(ب) فرس فراسۃ: شہسواری میں ماہر ہونا

(ج) الفارس: شہسوار، کہا جاتا ہے "ھو فارس بالامر" وہ معاملے کا جاننے والا ہے

(د) الافرس: شہسواری کا ماہر، زیادہ سمجھدار

(ہ) فرس الشئی: جدا جدا کرنا

(و) فرس الاسد فریسۃ: شیر کا اپنے شکار کی گردن کو توڑ دینا

(ز) الفرسۃ: پھوڑا جو گردن میں ہوتا ہے

(ح) الفریس: مقتول، شکار، حلقہ جو ری کے سرے پر باندھا جاتا ہے

(ط) الفراس: ذکی، ذہین

(ک) افرس عن بقیۃ مال: مال لیکر کچھ باقی چھوڑ دینا

(ل) افرس فلان الاسد حمارہ: اپنی جان بچانے کے لیے گدھے کو شکار کے لیے شیر کے سامنے کرنا

(م) افرس الراعی: چرواہے کا گلے کی حفاظت سے غافل ہونا۔

(ن) تفرس فیہ: نظر جما کر دیکھنا

(س) تفرس فیہ الخیر: کسی کے اندر علامت سے خیر پہچاننا

فرس یا فراست میں فسر اور سفر کی طرح توضیح، تشریح اور اظہار کے معانی پائے جاتے ہیں مگر فسر اور سفر کی بہ نسبت، فراست میں گہرائی میں جا کر مہارت اور تدقیق کیساتھ کسی چیز کی وضاحت حاصل ہوتی ہے۔ گویا فراست اس مہارت کا نام ہے جو کسی فن یا معاملے میں بہت زیادہ توجہ اور محنت کے بعد حاصل ہوتی ہے۔ فراست کی بدولت کسی بھی فن کا ماہر بڑی آسانی اور عمدگی سے اپنے فرائض سرانجام دیتا ہے اور اپنے شعبے سے متعلق صحیح یا غلط امور کو دور اسی توجہ سے معلوم کر لیتا ہے بلکہ ایک تجربہ کار جوہری کی طرح ایک نظر ڈال کر کھرے کھوٹے کو پہچان لیتا ہے اور بعض اوقات دلیل معلوم نہ ہونے کے باوجود اس کا ذہن اپنی فراست ومہارت کی بدولت کسی مسئلے کو قبول نہیں کرتا جیسا کہ شیخ محقق محدث دہلوی "اشعۃ اللمعات" کے مقدمے میں معلل حدیث کی بحث میں فرماتے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہیں:

''اور کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ مُفَلِّس (مفلس بیان کرنے والا) کی عبارت حجت اور دلیل کے قائم کرنے سے قاصر ہوتی ہے اور وہ علت وتفلیس کی تنقیح وتعیین نہیں کرسکتا۔ جس طرح بعض اوقات صراف درہم و دینار کو کھوٹا کھرا ظاہر کرنے کی وضاحت نہیں کرسکتا۔''(۱۰)

کوئی محقق اپنی فراست ومہارت کی بدولت بغیر دلیل کے کسی مسئلے پر ذاتی طور پر کوئی رائے تو قائم کرسکتا ہے مگر دوسروں کے لیے اس کی رائے حجت نہیں ہوگی اسے بہر حال دلیل پیش کرنی ہوگی۔

فرس کے ایک معنی شہسواری میں ماہر ہونا بھی ہے یعنی ایک محقق ماہر شہسوار کی طرح تحقیق کے جس میدان میں بھی چلا جائے کامیابیوں کے جھنڈے گاڑ دیتا ہے۔ اسے تحقیق پر پورا قابو ہوتا ہے جہاں چاہے اس کی باگیں موڑ کر رواں دواں ہو جاتا ہے۔ اڑیل گھوڑے کی طرح موضوع کتنا ہی پیچیدہ اور گنجلک کیوں نہ ہو، وہ ایک تیچے پر پیچ کری دم لیتا ہے اور اس کے تمام پہلو اس کی گرفت میں ہوتے ہیں۔

فرس کے معنی شکار کے بھی ہیں۔ ایک شیر مکمل صبر اور محنت کے ساتھ اپنے شکار کی منصوبہ بندی کرتا ہے اور پھر پوری جرأت کے ساتھ حملہ آور ہوتا ہے اور ایک ہی جست میں اپنے شکار کو قابو کر لیتا ہے۔ بالکل اسی طرح سے ایک محقق کو صبر اور جانفشانی سے تحقیقی اصولوں کو مدنظر رکھ کر موضوع زیر بحث کا خاکہ تیار کرنا چاہیے اور پھر پوری ہمت کیساتھ تحقیق میں جت جانا چاہیے اور موضوع کو مکمل طور پر اپنی گرفت میں لیکر اپنی رائے کو پیش کرنا چاہیے جو شیر کے شکار کی طرح اس کی اپنی دریافت ہو، کسی کا پس خوردہ نہ ہو۔

فسر، سفر اور فرس کے مادوں کی نسبت رسف، رفس اور سرف میں اظہار اور توضیح کے معانی کسی قدر کم

پائے جاتے ہیں۔

(۴) رسف

(الف) رسف: پاؤں بندھے ہوئے کی طرح چلنا

(ب) رسف الدابة: بندھے ہوئے پاؤں والے جانور کو ہانکنا

(ج) ارتسف الشیء: بلند ہونا

بلند ہونے میں تو اظہار کے معنی واضح ہیں اسی طرح سے بندھے ہوئے پاؤں والے جانور کی چال و دیگر جانوروں کی نسبت زیادہ نمایاں اور واضح ہوتی ہے۔

(۵) رفس

(الف) رفس: پیچھے پر مارنا

(ب) رفس البعیر: اونٹ کے پاؤں باندھنا

(ج) رفس اللحم: گوشت کا قیمہ کرنا

© rasailojaraid.com

(د) افاس: اونٹ کے پاؤں باندھنے کی رسی

(ہ) رفوس: دولتی مارنے والی اونٹنی

ان الفاظ میں بھی کسی قدر اظہار وبیان کے معانی پائے جاتے ہیں

(۶) سرف

(الف) سرف: کیڑے کا درخت کے پتوں کو چاٹ جانا

(ب) سرف الام ولدھا: ماں کا بچے کو زیادہ دودھ پلا کر بیمار کرنا

(ج) سرف: بیکار چھوڑنا، جاہل ہونا، خطا کرنا، گھن لگنا، شراب کا حریص ہونا

(د) اسرف: فضول خرچی کرنا، حد سے تجاوز کرنا، زیادتی کرنا، خطا کرنا، جاہل ہونا، غافل ہونا

(ہ) السرفة: گھن: سرخ جسم اور کالے سر والا کیڑا جو چھوٹی لکڑیوں کو اپنے لعاب سے جوڑ کر گھر بناتا ہے اور داخل ہو کر مرجاتا ہے۔ اسی سے مثال ہے ''ھو اصنع من سرفة'' وہ سرفہ سے زیادہ کاریگر ہے۔

(و) السروف: سخت اور بڑا

(ز) السریف: انگور کے بیل کی قطار

اسراف اور گھن لگنے میں واضح طور پر اظہار کے معنی پائے جاتے ہیں۔

حواشی وحوالہ جات

۱۔ المعجم المفھرس لالفاظ القرآن، مولف محمد فواد عبدالباقی مطبوعہ منشورات ذوی القربی طبع دوم ۱۴۲۳ھ صفحہ نمبر ۶۵۹

۲۔ ترجمہ فتح الحمید از مولانا فتح محمد جالندھری مطبوعہ تاج کمپنی لمیٹڈ

۳۔ مصباح اللغات مرتب مولانا ابوالفضل عبدالحفیظ بلیاوی ناشر محمد سعید اینڈ سنز تاجران کتب قرآن محل، مقابل مولوی مسافر خانہ کراچی

۴۔ اردو دائرہ معارف اسلامیہ زیر اہتمام دانشگاہ پنجاب، لاہور جلد ۹ طبع اول ۱۳۸۱ھ/۱۹۶۲ء، صفحہ نمبر ۲۸۸۔ ۲۸۹

۵۔ ایضاً

۶۔ ایضاً

۷۔ سورۃ المومنون ۲۳: ۲۷ از ترجمہ فتح المجید

۸۔ زمخشری کی تفسیر الکشاف۔ ایک تحلیلی جائزہ، پروفیسر فضل الرحمٰن، دینیات فیکلٹی، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، علی

© rasailojaraid.com

گجرات، بھارت ۱۹۸۲ء صفحہ نمبر ۷

۹۔ ایضاً صفحہ نمبر ۹

۱۰۔ اشعۃ اللمعات اردو ترجمہ، تقدیم مولانا محمد سعید احمد نقشبندی فرید بک اسٹال اردو بازار لاہور، سال اشاعت ۱۴۰۱ھ/۱۹۸۱ء صفحہ نمبر ۳۳

ہزار خوف ہو، لیکن زباں ہو دل کی رفیق
یہی رہا ہے ازل سے قلندروں کا طریق
ہجوم کیوں ہے زیادہ شراب خانے میں؟
فقط یہ بات، کہ پیر مغاں ہے مرد خلیق!
علاج ضعف یقین ان سے ہو نہیں سکتا
غریب اگرچہ ہیں رازی کے نکتہ ہائے دقیق!
مرید سادہ تو رو رو کے ہوگیا تائب
خدا کرے کہ ملے شیخ کو بھی یہ توفیق
اسی طلسم کہن میں اسیر ہے آدم
بغل میں اس کی ہیں اب تک بتان عہد عتیق
مرے لیے تو ہے اقرار باللساں بھی بہت
ہزار شکر، کہ ملا ہیں صاحب تصدیق!
اگر ہو عشق، تو ہے کفر بھی مسلمانی
نہ ہو، تو مرد مسلماں بھی کافر و زندیق

قرآن حکیم میں خرقِ عادت اسلوبِ تشبیب وادبیت

محمد اعظم سعیدی

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی قرآن مجید کے اسلوب بدیع کے حوالے سے تحریر فرماتے ہیں:

قرآن مجید کو دوسری کتابوں کے متن کی طرح نہ تو مختلف ابواب وفصول میں تقسیم کیا گیا ہے اور نہ ہی جملہ مطالب ایک فصل میں ذکر کیے گئے ہیں کہ ہر شخص اس میں سے اپنے مطلب کی چیز معلوم کرلے، بلکہ قرآن مجید کو مکتوبات کا مجموعہ فرض کیجیے جیسے ایک بادشاہ مقتضائے حال کی مناسبت سے رعایا کے نام ایک فرمان جاری کرتا ہے پھر دوسرا تیسرا فرمان جاری کرتا ہے، اس طرح بے شمار فرامین جمع ہوجاتے ہیں۔ پھر ایک شخص ان تمام فرامین کو مجموعہ کی شکل میں جمع کرلیتا ہے اسی طرح مالک مطلق رب تعالیٰ نے مقتضائے حال کے مطابق اپنے بندوں کی ہدایت کے لئے اپنے پیارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر یکے بعد دیگرے آیات نازل فرمائیں جسے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سورتوں کی شکل میں مرتب کروادیا پھر حضرت ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما کے زمانے میں خاص ترتیب سے ایک جلد میں جمع کر کے اس کا نام مصحف رکھا گیا۔(۱)

سورتوں کے آغاز واختتام میں اسلوب کے حوالے سے بادشاہوں کے فرامین کے طریقے کی رعایت کی گئی ہے، جس طرح بعض مکتوبات اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا، سے شروع کرتے ہیں۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے بعض سورتوں کو حمد وتسبیح سے شروع فرمایا ہے، بعض مکتوبات کو بغرض املاء شروع کرتے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہیں، اسی طرح اللہ تعالیٰ نے بعض سورتوں کو اس کے املاء کی غرض کے بیان سے شروع کیا اور فرمایا ذالك الكتاب لاريب فيه هدى للمتقين (۲) یا فرمایا سورة انزلنها وفرضنها (۳) صلح حدیبیہ کے میثاق میں بالکل اسی کی مطاوعت میں حضور اکرم ﷺ نے تحریر فرمایا تھا هذا ماقضیٰ علیه محمد رسول الله (۴)۔۔۔۔۔۔۔۔اسی طرح بعض سورتوں کو بغیر کسی عنوان

کے خطوط ورقعات کے طریق پر شروع کیا گیا ہے جیسے ارشاد فرمایا اذا جاءك المنافقون (۵) یا یهاالنبی لم تحرم ما احل الله لك (۶) قد سمع الله قول التی تجادلك فی زوجها (۷)

اہل عرب کی فصیحانہ شہرت کا منہ بولتا ثبوت ان کے قصیدے تھے، قصائد کے آغاز میں عجائبات فن، ہولناک مواقع اور نادر مواقع وتماثیل کو بطور تشبیب ذکر کرنا ان کی قدیم رسم تھی، اسی لئے بعض سورتوں کے آغاز میں اسلوب تشبیب کو اختیار کیا گیا ہے جیسے والصّٰفّٰت صفا ٥ فالزّٰجرٰت زجرا (۸) جیسے اذا الشمس کورت واذا النجوم انکدرت (۹)۔۔۔نیز جس طرح مکتوبات کے اختتام یا تتمہ کو جوامع کلم، نوادر وصایا، احکامات مرقومہ کی تاکید اور ان کی مخالفت پر تہدید کے ساتھ ختم کرتے ہیں۔ بعینہ اسی اسلوب تشبیب پر بعض سورتوں کے اواخر کو جوامع کلم ومنابع حکم، نادر وصایا، تاکید بلیغ اور تہدید عظیم پر ختم فرمایا گیا ہے۔ کبھی عظیم الفوائد، بدیع الاسلوب کلام بلیغ کو سورت کے وسط میں بطور حمد وثنا، تسبیح وتہلیل، ذکر انعامات اور عطائے انعامات کے بیان سے شروع کیا ہے، جیسا کہ خالق ومخلوق کے مراتب میں تباین (فرق) کو سورۂ نمل کے وسط میں اس طرح شروع کیا گیا ہے۔ قل الحمد لله وسلم علی عباده الذین اصطفیٰ الله خیرا مایشرکون (آیت ۵۹) اس کے بعد والی پانچ آیتوں میں اس دعا کو انتہائی بلیغ وجہ اور بدیع اسلوب سے بیان کیا گیا ہے، اسی طرح بنی اسرائیل کے مخاصمہ کو سورۂ بقرہ کے وسط میں یٰبنی اسرائیل اذکروا نعمتی التی سے شروع کر کے اسی پر ختم کیا گیا ہے۔ یہ کمال درجہ کی بلاغت ہے، ایسے ہی یہود ونصاریٰ کے مخاصمہ کو سورۂ آل عمران میں ان الدین عند الله الاسلام سے شروع فرما کر محل نزاع کو متعین فرما دیا تا کہ گفتگو کا مدار اسی دعویٰ پر رہے۔ (۱۰)

یہ مقدس اور از آغاز تا اختتام معجزہ کتاب قرآن مجید اللہ تعالیٰ نے نوع انسانیت کی ہدایت ورہنمائی اور فلاح کے لئے نازل فرمائی ہے، جس طرح فقہ کا ایک عالم، آئمہ فقہاء کے تجویز کردہ قوانین استنباط واستخراج پر مبنی کسی کتاب کا مطالعہ کرتا ہے اور دیکھتا ہے کہ طرق استنباط وتخریج غایت درجہ کی صحت کو پہنچے ہوئے ہیں تو اسے یقین آجاتا ہے کہ یہ آئمہ علم فقہ میں کامل دسترس رکھتے ہیں، اسی طرح احکام شریعت کے ایک عالم کو جب یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ نوع انسانیت کو زندگی گذارنے کے لئے کیا کیا بتانے کی ضرورت ہے پھر وہ قرآن مجید میں غور وتدبر کرتا ہے تو اسے یقین آجاتا ہے کہ ان احکام وعلوم کا بہترین انداز میں بیان ہونا بجز قرآن مجید کے کسی اور کتاب میں ممکن نہیں ہے اور تو وہ بے اختیار کہہ اٹھتا ہے کہ قرآن کریم کی خرق عادت فصاحت وبلاغت اور اسلوب بدیع معجزانہ ہے۔

نزول قرآن سے قبل اہل عرب کی فصاحت وبلاغت اوج ثریا پر کمندیں ڈال رہی تھی، اس فن میں اُن جیسی قدرت ومہارت کسی اور قوم کو نصیب نہیں تھی، اسی لئے وہ بطور تعلّی خود کو عرب اور اقوام دیگر کو عجمی کہتے تھے، اس فن میں ان کی یکتائی کا طرفہ یہ تھا کہ وہ مشکل سے مشکل ترین اور خوفناک مواقع میں بھی فی البدیہہ استعارات، تشبیہات اور تماثیل کا اظہار کرتے تھے لفظوں اور مطالب کے استحضار کا عالم یہ تھا کہ ہر وقت خطبے پڑھتے تھے، میدان حرب وضرب میں تلواروں کی چھاؤں تلے رجز یہ اشعار تخلیق کرتے تھے، وہ اپنی سحر بیانی سے اپنے جوانوں کو شعلہ فشاں بنا دیتے تھے، شکستہ دلوں میں حوصلہ بھر دیتے تھے، اسلئے وہ برملا یہ دعویٰ کرتے تھے کہ سخن وری میں ہمارا مقابل ومماثل کوئی نہیں ہے ہم ہی اقلیم فصاحت وبلاغت کے شہسوار ہیں۔

اہل عرب کو ولایت فصاحت وبلاغت کی شہنشاہت کا دعویٰ تو تھا لیکن انواع فصاحت وبلاغت اور اصناف استعارات، تشبیہات، تشبیبات وتمثیلات اور اقسام ترغیب، ترہیب، تبشیر وتنذیر کا مرقع ومرصع کسی کا کلام (مجموعہ نظم ونثر) نہ تھا، اختلاف مضامین، اختلاف احوال اور اختلاف اغراض میں فرق اظہر من الشمس ہے، ان کے بعض فصحاء اگر مدح میں اعلیٰ پایہ کے ہیں تو ہجو گوئی میں انتہائی پست درجہ میں ہیں اور کچھ اس کے برعکس ہیں، اسی طرح کچھ مرثیہ گوئی میں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ید طولیٰ رکھتے ہیں تو غزل میں ثانی ہیں، کچھ رجز میں فائق ہیں تو قصیدے میں زاحق ہیں یعنی فصحاء عرب کا ہر فصیح صرف ایک دو اصناف میں ہی قد آور نظر آتا ہے، بقول علامہ نور بخش توکلی، امرا القیس کو گھوڑے اور عورت کی توصیف میں سبقت حاصل تھی، اعشیٰ کو شراب کی تعریف میں تفوق حاصل تھا، نابغہ کو ترہیب میں اور زہیر کو ترغیب میں شہرت حاصل تھی، ذوالرمہ تشبیب وتشبیہ میں قدرت تامہ رکھتا تھا، فرزدق غزل میں بلند پایہ رکھتا تھا مگر تشبیب میں اسے کمال حاصل نہ تھا، جبکہ جریر تشبیب میں بہت اچھا ہے، غرض کہ اختلاف احوال واغراض کے باعث انسان کا کلام مدح وذم میں تقسیم ہو کر متفاوت ہو جاتا ہے، علاوہ ازیں فصحاء وبلغاء عرب کا کلام فصل ووصل، عروج ونزول، تقریب وتبعید وغیرہ میں بھی متفاوت ہے، اس کے برعکس قرآن مجید میں غور کیجیے باوجودیکہ اس میں وجوہ خطاب مختلف ہیں، کہیں قصص ومواعظ ہیں، کہیں حلال وحرام کا ذکر ہے، کہیں تحذیر وتبشیر ہے، کہیں وعدہ وعید ہے، کہیں تخویف وتفہیم ہے، کہیں عبد ومعبود کا ذکر ہے، کہیں زمین وآسمان کی تخلیق کا ذکر ہے اور کہیں اخلاق حسنہ کی تعلیم ہے بایں ہمہ قرآن مجید ہر فن میں فصاحت وبلاغت کے خارق عادات بلند درجہ میں ہے۔(۱۱)

جزیرۃ العرب میں ساری دنیا کے مذاہب وعقائد موجود تھے، ہنود، یہود، نصاریٰ، مجوس، صابی، آفتاب ومہتاب پرست، ستارہ وحیوان پرست، اشجار واصنام پرست، تناسخیہ، دھریہ، مشبہ ومجسمہ سب وہاں موجود تھے، اور اسی مہیب مرکز میں ایک کامل طبیب روحانی، بانی مذہب رحمانی خاتم الانبیاء، منصہ شہود پر جلوہ گر ہوا، اور اپنی حیات مبارکہ کے چالیس سال ان کے درمیان گذارے، ولادت سے چھ ماہ پہلے والد گرامی اور چھ سال بعد والدہ ماجدہ کا بھی انتقال ہو گیا، اس در یتیم کی تعلیم وتعلم کا کوئی سلسلہ نہ ہو سکا، کیوں کہ مکہ میں کوئی مدرسہ ومکتب نہ تھا، کوئی کتب خانہ ولائبریری نہ تھی، اور نہ وطن مالوف سے باہر جا کر حصول تعلیم کا اتفاق ہوا، لہذا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اگر کسی انسان کے تلمیذ ہوتے تو اہل مکہ کو ضرور معلوم ہوتا۔۔۔۔۔ پھر اس تلمیذ رحمان نے 40 سال کی عمر میں نبوت کا اعلان فرمایا اور اپنی نبوت کے ثبوت میں اہل عرب کے تمام مذاہب کے فصحاء، بلغاء، اور خطباء، اور پیرو کاروں کے سامنے جو کتاب پیش فرمائی وہ انہی کی زبان میں تھی جس کے الفاظ وحروف کلام عرب کی جنس سے ہیں،

تراکیب، استعارات، تشبیہات، تمثیلات، تشریحات وغیرہ ان کے قصائد وخطبات میں مستعمل ہیں، بایں ہمہ ان تمام مذاہب کے فصحاء، بلغاء، اور خطباء وپیشواؤں نے اس کتاب کو بطور دلیل نبوت اور منزل من اللہ تسلیم کرنے سے انکار کیا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم الٰہی کی مطاوعت میں منکرین سے اس کتاب کا معارضہ طلب کیا، اور طلب معارضہ کے چیلنج کو واشگاف لفظوں میں یوں دہرایا:

قل لئن اجتمعت الانس والجن علی ان یاتوا بمثل هذا القرآن لا یاتون بمثله ولو کان بعضهم لبعض ظهیرا

کہہ دیجیے کہ اگر تمام انسان وجنات اس بات پر مجتمع ہو جائیں کہ وہ لائیں ایسا قرآن، تو وہ ایسا قرآن نہیں لا سکتے، چاہے وہ ایک دوسرے کی مدد کریں(۱۲)

وادی ام القریٰ کے امی لقب رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل عرب سے یہ معارضہ احکامات، معاملات، اخلاقیات، اخبارات، پیش گوئیوں یا تذکیر وتاویل میں طلب نہیں کیا تھا اور نہ ہی اس چیلنج میں ایسا کوئی اشارہ ہے، بلکہ اہل عرب جس فن میں مشاق تھے اسی فن میں ان سے اس کتاب کا معارضہ طلب کیا تھا، پھر اسی امی لقب رسول نے فصحاء عرب کی معذوری کے پیش نظر بالفاظ دیگر اپنے چیلنج کی ضخامت میں بے پناہ کمی کرتے ہوئے فرمایا کہ تم اس قرآن جیسی مکمل کتاب تو تخلیق نہیں کر سکتے، البتہ اگر ہمت ہے اور دعوائے فصاحت وبلاغت ہے تو اس جیسی دس سورتیں ہی بنا کر دکھا دو:

فاتوا بعشر سور مثله مفتریت وادعوا من استطعتم من دون الله ان کنتم صدقین

پس تم بھی اس جیسی دس سورتیں بنا کر لاؤ، اور اگر ہمت ہے تو اللہ کے سوا جسے چاہو بلا لو اگر تم سچے ہو (۱۳)

یعنی اے اہل عرب مجھے کہتے ہو کہ میں قرآن بنا لایا ہوں تو تم بھی اپنی فصاحت وبلاغت کے جوہر آزماؤ اور اللہ کے سوا سب کو بلا کر ان کی مدد سے صرف دس سورتیں گھڑ کر دکھا دو، لیکن اہل عرب اس کا بھی معارضہ پیش نہ کر سکے اور یہ بات بھی ثابت ہوگئی کہ انسانی کلام کبھی بھی الہامی کلام کی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مثل نہیں ہو سکتا، چنانچہ رحمت عالم، پیغمبر کائنات نے اس چیلنج میں مزید کمی کر دی اور فرمایا:

فاتو بسورة مثله وادعوا من استطعتم من دون الله ان كنتم صدقين

پس تم اس جیسی ایک سورۃ ہی بنا لاؤ اگر ہمت ہے تو، اور اللہ کے سوا جسے چاہو بلا لو اگر تم سچے ہو

(۱۴)

بقول علامہ نور بخش توکلی، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مکہ اور مدینہ میں کم و بیش 20 سال تک اہل عرب سے معارضہ طلب فرماتے رہے اور فاتو بسورة مثله سے تحدّی فرماتے رہے اور ساتھ ہی ولن تفعلوا (تم ہرگز ایسا نہیں کر سکتے) سے ان کو اکساتے اور غیرت دلاتے رہے، ان کو علی روس الاشہاد، جاہل، بے دین، بے عقل، گمراہ، بلکہ ان کے آباؤ اجداد کو بھی گمراہ کہتے رہے، ان کے معبودان باطلہ کو جہنم کا ایندھن کہتے رہے، ان کے جنگ میں متروکہ مال کو مسلمانوں کے لئے مال غنیمت قرار دیتے رہے، پھر ان کے شہر مکہ پر قبضہ ہوا، ان کے نامور سردار قتل ہوتے رہے، کچھ قیدی اور کچھ غلام بنتے رہے، ان کے معبودوں کے مجسمے ٹوٹتے رہے، اور کعبہ بدر ہوتے رہے، اہل عرب اگر چاہتے تو قرآن جیسی ایک چھوٹی سی صورت بنا کر اس تمام خواری، ذلت ورسوائی سے بچ سکتے تھے، مگر 20 سال تک اُن کا اس ذلت ورسوائی کو برداشت کرنا صاف بتا رہا ہے کہ وہ ایک سورت کا معارضہ پیش کرنے سے بھی قاصر رہے، اور قرآن مجید کی یہی خرق عادات فصاحت وبلاغت ہے اور یہی اس کا اعجاز ہے (ملخصا 15)

قرآن مجید کی سب سے چھوٹی سورت، سورۃ کوثر جو تین آیات، دس الفاظ اور اکتالیس حروف پر مشتمل ہے، اس میں خرق عادات (معجزانہ) فصاحت وبلاغت اور اسلوب بدیع کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ اس سورۃ میں بائیس (۲۲) بدیع حکمتیں اور چار پیش گوئیاں موجود ہیں، گویا اس کا ہر لفظ خرق عادت ادبیت اور فصاحت وبلاغت کا آئینہ دار ہے اور یہی کیفیت پورے قرآن میں موجود ہے، تو معلوم ہوا کہ قرآن مجید کے الفاظ کی تعداد (77934) کے مساوی بلکہ اس سے بھی کئی گنا زیادہ انواع ادبیت اور اصناف صنائع وبدائع قرآن میں موجود ہیں، اسی طرح مختلف مفسرین کی تخریج کے مطابق قرآن میں تقریباً تیرہ ھزار معجزات ہیں۔ تو گویا اتنی ہی تعداد میں قرآن کریم میں انواع فصاحت وبلاغت بھی ہیں۔

مشکوۃ شریف کی ایک حدیث کے مطابق سورۃ کوثر میں کی گئی چاروں پیش گوئیاں من وعن پوری ہوئیں (16) صاحب تفسیر کشاف جار اللہ زمخشری نے سورہ کوثر کی خرق عادات ادبیت پر ایک کتاب تحریر فرمائی تھی جس کی تلخیص کر کے امام فخر الدین رازی نے اس کا نام "نہایۃ الاعجاز فی درایت الاعجاز" رکھا تھا، سورہ کوثر کے حوالے سے امام فخر الدین رازی نے جو صنائع بدائع تحریر فرمائے ہیں۔ ہم اس کا خلاصہ اپنے لفظوں میں لکھ رہے ہیں:

انا اعطینک الکوثر (اس میں آٹھ بدائع ہیں)

(۱) (الف) یہ جملہ عظیم نعمتیں عطا کرنے والے معطی عظیم کی طرف سے عطائے کثیر پر شاھد ہے یعنی اس منعم حقیقی کا عطیہ بھی نعمت کثیر وکبیر ہے۔

(ب) کوثر سے مراد قیامت تک کے مومنین امت ہیں۔

(ج) کوثر سے مراد وہ فضائل، خواص، محاسن ومکارم ہیں جو منجانب اللہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو مرحمت وتفویض ہوئے، ان ارفع واعلیٰ عطیات کی ماہیت وحقیقت صرف منعم جانتا ہے یا منعم علیہ۔

(د) کوثر سے مراد نہر کوثر یا حوض کوثر ہے۔

(۲) اسم (انّا) کی تقدیم مفید تخصیص ہے یعنی یہ خیر کثیر صرف ہم نے ہی عطاء کی ہے۔

زمخشری کے اس قول پر امام رازی تنقید کرتے ہوئے لکھتے ہیں تحقیق یہ ہے کہ یہاں اسم (انّا) یعنی محدث عنہ کی تقدیم مفید تخصیص نہیں، بلکہ یہ تقدیم اثبات خبر کیلئے زیادہ موزوں و مؤکد ہے۔ اسلئے کہ جب اسم (محدث عنہ) کا ذکر مقدم ہو تو سامع کو خبر کی سماعت کا شوق پیدا ہوتا ہے، اور اس کا ذہن وہ خبر ایسے قبول کرتا ہے جیسے محب، محبوب کو قبول و پسند کرتا ہے، لھذا اس مقام پر اسم کی تقدیم تخصیص کیلئے نہیں ہے بلکہ اثبات خبر کو مؤکد کرنے کیلئے ہے۔

(۳) عظمت ربوبیت کے اظہار کیلئے ضمیر متکلم کو جمع کے صیغہ میں لایا گیا ہے۔

(۴) جملہ کے ابتداء میں جو حرف تاکید ہے وہ قسم کے قائم مقام ہے۔

© rasailojaraid.com